امامِ نعت گویاں امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے
نعتیہ افکار و رجحانات پر
منفرد مضامین و مقالات کا دل کش مجموعہ ۔ بنام ۔
بیسویں صدی کا
عظیم نعت گو شاعر
مرتب : ڈاکٹر محمد حسین مُشاہد رضوی
آن لائن ایڈیشن
/mushahidrazvi1979
@MushahidRazvi
mushahid_razvi

نام کتاب : بیسویں صدی کا عظیم نعت گو شاعر
تصنیف : ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی، (مالیگاؤں)
کمپوزنگ : البرکات گرافک ورلڈ، مالیگاؤں
اشاعت : بموقع عرس اعلیٰ حضرت ،نومبر ۲۰۱۶ء
صفحات : 208
ناشر : ادارۂ دوستی، کماپورہ، مالیگاؤں
قیمت : امام احمد رضا سے وابستگی

Book Name : Beesvin Sadi ka Azeem Naat Go Shaer
Compiled by: Dr. Mushahid Razvi
Pages : 194
Publishing year: November,2016
Published by : Idara E Dosti , Malegaon
Price : Rs.

Contact:
Mushahid Razvi
Sr. No 39 Plot No 14 Naya Islampura
Malegaon 423 203 Nashik (M.S.)
E-Mail:mushahidrazvi79@gmail.com

● ●

مشمولات

شہزادۂ امینِ ملت سید محمد امان میاں قادری مارہروی

کی برکات رنگ محبتوں کے

نام

عرضِ مرتب

امامِ نعت گویاں امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے فضاے نعت میں جو روشن نقوش مرتب کیے ہیں۔ اُن کی روشنیوں نے قلب ونظر روشن ومنور ہیں۔ آج اکنافِ عالم میں اشعارِ رضا کے وسیلے سے بھی اردو دنیا میں عشقِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تاب نا کی اور درخشانی روز افزوں ہے۔

کلامِ رضا کا فنی اعتبار سے تنقیدی جائزہ لینے کے بعد ناقدین فن نے آپ کو''امامِ نعت گویاں'' کہنا اور لکھنا شروع کیا۔ جو یقیناً مبالغہ آرائی نہیں بلکہ ایک مسلمہ سچائی ہے۔

میدان شعروسخن میں حضرت رضا بریلوی نے جب طبع آزمائی کی تو وہ دوسروں کے لیے سراپا مثال بن گئے، شعرگوئی کے لوازمات ومطالبات کو اتنی مہارت وخوب صورتی کے ساتھ پورا کیا کہ ہوش وخرد کی قوت پرواز بھی جبین نیاز خم کرنے پر مجبور ہوگئی، صرف یہی نہیں بلکہ ان اشعار کے اندر استعمال کی گئی تشبیہات وتمثیلات، استعارات وکنایات، تعبیرات وترکیبات کو سند کا درجہ حاصل ہوگیا پھر تمام ارباب شعروادب نے بالاتفاق آپ کی شہنشاہیت کو مان لیا جبھی تو آپ نے اس حقیقت کا برملا اظہار فرمایا ؎

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیے ہیں

جناب عابدؔ نظامی صاحب لکھتے ہیں:

''یہ کوئی شاعرانہ تعلّی نہیں، بلکہ عینِ حقیقت ہے، ان کے اشعار پڑھتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے فصاحت وبلاغت، حلاوت وملاحت، لطافت ونزاکت یہ سب ان کے ہاں کی لونڈیاں ہیں'' (ماہ نامہ ضیاے حرم لاہور جولائی ۱۹۷۲ ص ۵۴)

یوں تو حضرت رضاؔ بریلوی کی شعری کائنات پر بہت کچھ لکھا گیا اور لکھا جارہا ہے، کئی اصحابِ فکر و تحقیق نے آپ کی نعت گوئی کو موضوعِ تحقیق بنا کر یونیورسٹی لیول پر پی ایچ ڈی کی ڈگری کا حصول بھی کیا ہے۔ پھر بھی فنی لحاظ سے کلامِ رضا پر کام اب بھی بہت باقی ہے۔ نت نئے شعری رویوں اور بدلتے تنقیدی رجحانات کے چلتے کلامِ رضا پر بھی نئے تنقیدی رجحانات کی روشنی میں جائزے کی ضرورت ہے۔ کلامِ رضا پر موضوعی لحاظ سے بھی مزید تحقیقی کام باقی ہیں۔

پیشِ نظر کتاب ''بیسویں صدی کا عظیم نعت گو شاعر'' مختلف اصحابِ قلم کے خامۂ زرنگار سے کلامِ رضا کے مختلف النوع تجزیے پر مبنی ہے۔ راقم کے پاس حضرت رضا بریلوی کی شاعری پر لکھے گئے درجنوں مضامین و مقالات موجود ہیں۔ ان مضامین و مقالات میں سے چند اہم مضامین کو اس کتاب میں پیش کرتے ہوئے آپ کی شاعرانہ محاسن کو اہلِ نقد و نظر کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔

مختلف اصحابِ قلم کے ان مضامین کو کتابی صورت میں ترتیب دینے کا مقصد یہی ہے کہ یہ بکھرے ہوئے شہ پارے ایک جگہ پر یکجا ہو جائیں تاکہ عام قارئین کو استفادہ میں سہولت ہو۔ امید ہے کہ باذوق قارئین کو یہ کاوش پسند آئے گی۔

محمد حسین مُشاہدؔ رضوی۔
(۲۳؍نومبر ۲۰۱۶ء، بدھ)

امام احمد رضا ۔۔ ایک تعارف

☆توفیق احسنؔ برکاتی

مجدد دین وملت، امام عشق ومحبت، فقیہ اسلام، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۰؍شوال المکرم ۱۲۷۲ھ/ ۱۴؍جون ۱۸۵۶ء کو بریلی میں پیدا ہوئے (۱) اور ۲۵؍صفرالمظفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء یوم جمعۃ المبارک کو وصال فرمایا (۲) پیدائشی نام ''محمد'' اور تاریخی نام ''المختار'' ہے، جد امجد امام العلما مولانا مفتی رضا علی خان بریلوی قدس سرہ (ولادت ۱۲۲۴ھ، ۱۸۰۹ء۔ وفات ۱۲۸۲ھ، ۱۸۶۶ء) نے آپ کا اسم شریف ''احمد رضا'' رکھا (۳) چار سال کی عمر میں قرآن کریم ناظرہ ختم کرلیا (۴) چھ سال کی عمر میں مجمع عام کے سامنے برسر منبر میلاد پاک کے موضوع پر تقریر کی (۵) آٹھ سال کے ہوئے تو عربی زبان میں ''ہدایۃ النحو'' کی شرح لکھی (۶) تیرہ سال دس ماہ کی عمر میں علوم عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل کر کے فارغ ہوگئے (۷) ۱۴؍شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ/ ۱۹ نومبر ۱۸۶۹ء کو دستار فضیلت سے نوازے گئے، اسی دن آپ نے رضاعت سے متعلق پہلا فتویٰ لکھا، جواب بالکل درست تھا، والد ماجد علامہ نقی علی خاں بریلوی (ولادت ۱۲۴۶ھ۔ وفات ۱۲۹۷ھ، ۱۸۸۰ء) نے خوش ہوکر فتویٰ نویسی کی اجازت دے دی اور مسند افتا پر بٹھا دیا۔ (۸)

امام احمد رضا قادری قدس سرہ خود ارشاد فرماتے ہیں:

> ''یہ وہی فتویٰ ہے جو چودہ شعبان ۱۲۸۶ھ کو سب سے پہلے اس فقیر نے لکھا اور اسی ۱۴؍شعبان ۱۲۸۶ھ کو منصب افتا عطا ہوا اور اسی تاریخ سے بحمد اللہ تعالیٰ نماز فرض ہوئی اور ولادت دس شوال المکرم ۱۲۷۲ھ روز شنبہ وقت ظہر مطابق ۱۴؍جون ۱۸۵۶ء ۱۱؍جیٹھ سدی ۱۹۱۳ سمبت کو ہوئی تو منصب افتا ملنے کے وقت فقیر کی عمر ۱۳؍برس دس مہینہ چار دن کی تھی، جب سے اب تک برابر یہی خدمت دین لی جارہی ہے، والحمد للہ'' (۹)

امام احمد رضا قدس سرہ نے چودہ سال کی عمر سے دینی، ملی، مذہبی و ادبی خدمات انجام دینا شروع کر دیا، ۷۰؍سے زائد علوم وفنون کا یہ بحر ذخار کفر و الحاد کی تیز و تند آندھیوں اور ضلالت و گمرہی کی باد

سموم کو دیکھ کر پوری تندہی کے ساتھ اس کے خلاف سینہ سپر ہو گیا۔ خود فرماتے ہیں:

''دفع گمراہاں میں جو کچھ اس حقیر ہیچ میرز سے بن پڑتا ہے الحمدللہ ۱۴ر برس کی عمر سے اس میں مشغول ہے اور یہ میرے رب کریم کے وجہ کریم کو حمد کہ اس نے میری بساط، میرے حوصلے، میرے کاموں سے ہزاروں درجہ زائد اس سے نفع بخشا''(۱۰)

نہ مرا نوش ز تحسیں نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوش بمدحے نہ مرا ہوش ذمے
منم وکنج خمولی کہ نہ گنجد دروے
جزمن وچند کتابے ودوات قلمے

اس قطعۂ مبارکہ کے اندر امام اہل سنت نے مکمل سوانح عمری بیان فرما دی ہے۔ محفل بسم اللہ خوانی میں ہونے والے حیرت انگیز انکشافات(۱۱) نے امام احمد رضا قدس سرہ کے علمی وقعت کی وضاحت کردی تھی، اشارہ ہو گیا تھا کہ یہ بچہ آگے چل کر اقلیم علم وفن کا ایسا تاجدار ہوگا جس کے سامنے پورا عالم اسلام متنوع مسائل کے تصفیہ کے لیے جبین نیاز خم کرے گا اور علم و ادب کے افق پر ایسا درخشندہ آفتاب ہوگا جس کی کرنوں سے ہر کوئی روشنی حاصل کرے گا۔

حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کا یہ چشم کشا تبصرہ پڑھنے کے قابل ہے، فرماتے ہیں:

''امام احمد رضا اس شخصیت کا نام ہے جو سن شعور میں پہونچتے ہی بلند پرواز شاہین کی طرح اونچی اڑان بھر کر علوم وفنون کے آفاق پر چھا گیا، اس چودہویں صدی کے امام نے چودہویں کے چاند کی طرح چمک کر پورے کرۂ ارض کو منور فرما دیا، دورِ حاضر کا وہ کون سا فن ہے کہ جس میں انہیں ملکۂ راسخہ، دسترس کامل اور مہارت تامہ نہیں؟''(۱۲)

اپنی عمر کے تیرہویں سال ہی آپ نے فن کلام میں بزبان عربی ایک کتاب تصنیف فرمائی (۱۳) پھر تصنیف وتالیف کا یہ سلسلہ تا دم وفات جاری رہا، آپ نے پچاس سے زیادہ مختلف موضوعات پر عربی، فارسی اور اردو زبان میں لگ بھگ ایک ہزار علمی وتحقیقی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔

ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقش بندی رقم طراز ہیں:

''آپ کی تصنیفات، تالیفات، تعلیقات اور شروح وحواشی کی نامکمل فہرست علامہ محمد ظفر الدین رضوی، علامہ عبد المبین نعمانی، عبد الستار ہمدانی، سید ریاست علی قادری اور راقم نے مرتب کی تھی، جو پچاس سے زیادہ علوم وفنون میں لگ بھگ ایک ہزار ہیں''(۱۴)

یہ تو آپ کی تصنیف کردہ کتب ورسائل کے ناقابل انکار حقائق تھے، خود امام احمد رضا قدس سرہ پر لکھے گئے رسائل ومقالات وکتب کی تعداد آٹھ سو کے قریب ہے، یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کے مقالے لکھے جارہے ہیں اور آپ کی بلند قامت اور قد آور ذات کے نت نئے پہلو سامنے آرہے ہیں۔(۱۵)

ذیل میں امام احمد رضا پر داخل شدہ پی ایچ ڈی مقالات کی ایک فہرست (۱۹۷۹ء سے ۲۰۰۶ء) جو راقم کے علم میں آسکی پیش خدمت ہے۔

(۱) فقیہ اسلام، ڈاکٹر حسن رضا خان، پٹنہ، انڈیا، ۱۹۷۹ء

(۲) ڈاکٹر مسز اوشیا سانیال، نیو یارک، امریکہ، ۱۹۹۰ء

(۳) امام احمد رضا اور ان کی نعت گوئی، ڈاکٹر سید جمیل الدین راٹھوری، ایم پی، ۱۹۹۲ء

(۴) حضرت رضا بریلوی بحیثیت شاعر نعت، جوہر شفیع آبادی، مظفر پور، انڈیا، ۱۹۹۲ء

(۵) امام احمد رضا۔۔حیات وکارنامے، جوہر شفیع آبادی، بنارس، انڈیا، ۱۹۹۳ء

(۶) کنز الایمان اور دیگر اردو تراجم کا تقابلی مطالعہ، پروفیسر مجید اللہ قادری، کراچی، ۱۹۹۳ء

(۷) امام کے حالات، افکار اور اصلاحی کارنامے، پروفیسر حافظ الباری، پاکستان، ۱۹۹۳ء

(۸) اردو نعت گوئی اور امام احمد رضا، ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی، بریلی، انڈیا، ۱۹۹۴ء

(۹) مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری، ڈاکٹر سراج بستوی، کانپور، انڈیا، ۱۹۹۵ء

(۱۰) امام احمد رضا کی فکری تنقیدیں، ڈاکٹر امجد رضا امجد، بہار، انڈیا، ۱۹۹۸ء

(۱۱) مولانا احمد رضا بریلوی کی فقہی خدمات، پروفیسر انور خان، پاکستان، ۱۹۹۸ء

(۱۲) امام احمد رضا کا تصور عشق، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری، میسور، انڈیا، ۲۰۰۲ء

(۱۳) روہیل کھنڈ کے نثری ارتقا میں مولانا احمد رضا کا حصہ، ڈاکٹر رضاء الرحمٰن عاکف سنبھلی،

روہیل کھنڈ، بریلی، انڈیا، ۲۰۰۳ء

(۱۴) امام احمد رضا کی انشا پردازی، ڈاکٹر غلام غوث قادری، رانچی، انڈیا، ۲۰۰۳ء

(۱۵) الزلال الانقیٰ من بحر سبقۃ الاتقیٰ (الشیخ احمد رضا) پروفیسر مولانا اشفاق احمد جلالی، لاہور، پاکستان، ۲۰۰۳ء

(۱۶) مولانا احمد رضا کی نعتیہ شاعری کا تاریخی اور ادبی جائزہ، مسز ڈاکٹر تنظیم الفردوس، کراچی، پاکستان، ۲۰۰۴ء

(۱۷) الشیخ احمد رضا شاعراعربیا مع تدوین دیوانہ العربی، ڈاکٹر سید شاہد علی نورانی، لاہور، پاکستان، ۲۰۰۴ء

(۱۸) امام احمد رضا کی مکتوب نگاری، ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی، مظفر پور، انڈیا، ۲۰۰۴ء

(۱۹) امام احمد رضا کی ادبی ولسانی خدمات، ڈاکٹر ریاض احمد، ۲۰۰۵ء

(۲۰) مولانا احمد رضا کی خدمت علوم حدیث کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، مولانا منظور احمد سعیدی، کراچی، پاکستان، ۲۰۰۶ء

یہ تو موجودہ زمانے (۱۹۷۹ء سے ۲۰۰۶ء) کی بات آپ نے ملاحظہ کی، ذرا آج سے قریب بتیس سال پیشتر مدیر المیزان امام احمد رضا نمبر کی یہ چشم کشا تحریر ملاحظہ فرمائیں:

''اگر ہم ان (امام احمد رضا) کی علمی وتحقیقی خدمات کو ان کی ۶۵ سالہ زندگی کے حساب سے جوڑیں، تو ہر ۵ گھنٹے میں امام احمد رضا ایک کتاب ہمیں دیتے ہوئے نظر آتے ہیں، ایک متحرک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا جو کام تھا، امام احمد رضا نے تن تنہا انجام دے کر اپنی جامع وہمہ صفت شخصیت کے زندہ نقوش چھوڑے۔ لیکن افسوس کہ اس ناقابل تردید حقیقت کا اعتراف کرنے والے اب تک اپنا حق نہ ادا کر سکے، آج ہم سن عیسوی کے چھہترویں سال میں داخل ہو چکے ہیں اور امام احمد رضا کو پردہ فرمائے ۵۵ برس گزر گئے۔ ہمارا فرض تھا کہ ہم اپنے محبوب قائد کے علمی کارناموں سے دنیا، بالخصوص عالم اسلام کو متعارف کراتے، تحقیقات وتصنیفات کے جواہر پارے بکھیر دیتے۔ افسوس کہ امام احمد رضا کی بارگاہ میں ہم ۵۵ برس کے بعد ۵۵ کتابیں بھی نہ پیش کر سکے، اب تک جو کچھ لکھا، وہ چند اوراق سے زیادہ نہیں، اگرچہ بعض

حضرات نے جزوی کوششیں کیں، لیکن وہ تحقیقی و سوانحی معیار کے مطابق نہیں، زندہ قوم کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے اسلاف کی خدمات اور قربانیوں کو اجاگر کرے اور ان کی شہرت کو چار چاند لگائے، مگر اجاگر کرنا تو بڑی بات، امام احمد رضا کو اب تک صحیح انداز میں پیش بھی نہ کر سکے۔ ابن عبد الوہاب سے لے کر ابو الاعلیٰ مودودی تک جتنے قابل ذکر مخالفین ہیں، سب کی سوانح حیات پر بے شمار کتابیں ان کے اپنوں نے لکھیں اور احسان مندی کا ثبوت دیا، یہ تلخ حقیقت تسلیم کیجیے کہ امام احمد رضا کا علمی حلقوں میں اب تک صحیح تعارف نہ کرایا جا سکا۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ تو امام احمد رضا کو جانتا بھی نہیں۔ امام احمد رضا کے گیت ہمارے ہر اسٹیج پر گائے جاتے ہیں، لیکن یہ دعویٰ کرنا مشکل ہوگا کہ امام احمد رضا تمام یونیورسٹیوں، کالجوں، دانش گاہوں اور لائبریریوں میں موجود ہیں‘‘(۱۶)

مراجع

(۱) مولانا بدر الدین رضوی، سوانح اعلیٰ حضرت، رضا اکیڈمی ممبئی، ۲۰۰۲ء، ص ۸۸
(۲) مولانا بدر الدین رضوی، سوانح اعلیٰ حضرت، رضا اکیڈمی ممبئی، ۲۰۰۲ء، ص ۳۸۱
(۳) مولانا بدر الدین رضوی، سوانح اعلیٰ حضرت، رضا اکیڈمی ممبئی، ۲۰۰۲ء، ص ۸۸
(۴) مولانا عبد الحکیم اختر شاہ جہاں پوری، سیرت امام احمد رضا، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۳
(۵) مولانا عبد الحکیم اختر شاہ جہاں پوری، سیرت امام احمد رضا، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۳
(۶) مولانا عبد الحکیم اختر شاہ جہاں پوری، سیرت امام احمد رضا، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۴
(۷) مولانا بدر الدین رضوی، سوانح اعلیٰ حضرت، رضا اکیڈمی ممبئی، ۲۰۰۲ء، ص ۹۲
(۸) مولانا بدر الدین رضوی، سوانح اعلیٰ حضرت، رضا اکیڈمی ممبئی، ۲۰۰۲ء، ص ۹۲
(۹) مولانا محمد مصطفی رضا خاں، الملفوظ کامل، رضوی کتاب گھر، دہلی ۲۰۰۲ء، ص ۴۲/۱
(۱۰) امام احمد رضا قادری، فتاویٰ رضویہ، رضا اکیڈمی ممبئی، ۱۹۹۴ء، ص ۱۳۳/۱۲
(۱۱) مولانا بدر الدین رضوی، سوانح اعلیٰ حضرت، رضا اکیڈمی ممبئی، ۲۰۰۲ء، ص ۹۰
(۱۲) سال نامہ معارف رضا، کراچی، ۲۰۰۳ء، ص ۶۲
(۱۳) ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی، حیات رضا کی نئی جہتیں، ممبئی، ۲۰۰۷ء، ص ۲۶
(۱۴) پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، چشم و چراغ خاندانِ برکاتیہ، نوری مشن مالیگاؤں، ص ۷
(۱۵) ملاحظہ کریں: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، امام احمد رضا اور عالمی جامعات، کراچی
(۱۶) امام احمد رضا نمبر، ماہ نامہ ’’المیزان‘‘ بمبئی، ۱۹۷۶ھ، ص ۶

☆☆☆

اعلیٰ حضرت اور نعت مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقش بندی مجددی

محبت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں عجب مسیحائی ہے---- دل دمکنے لگتے ہیں---- چہرے چمکنے لگتے ہیں---- کردار سنورنے لگتے ہیں---- مردہ، زندہ ہونے لگتے ہیں---- ویرانے آباد ہونے لگتے ہیں---- جہاں بدلنے لگتے ہیں---- محبت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک سرور ہے---- یہ سرُ ور ہی زندگی ہے---- تناؤ کھنچاؤ سے نجات مل جانا بڑی دولت ہے---- یہ سرور شکنجوں میں کسے ہوئے انسانوں کو آزاد کرتا ہے---- یہ سرور پریشاں خیالیوں کا علاج ہے---- گیتوں اور نغموں میں بھی سرور ہے---- مگر آنی جانی ہے---- محبت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سرور ہی کچھ اور ہے---- نعت ،محبت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بہار ہے---- نعت سرور سرمدی کا خزانہ ہے---- ''بہترین تخلیقات وہی ہیں جو روحانی سرور اور بصیرت کا ذریعہ ہوں۔''

محبت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) احساس میں شدت اور جذبے میں گہرائی پیدا کرتی ہے---- دل مچلنے لگتا ہے---- ذہن سنبھلنے لگتا ہے---- زبان گنگنانے لگتی ہے---- خود بخود اشعار ڈھلنے لگتے ہیں---- رضا بریلوی، شاعروں کی طرح سوچتے نہ تھے---- وہ تلمیذ رحمن تھے---- فکرو خیال کی وادیوں میں غلطاں و پیچاں نہ رہتے تھے---- جب جذبات کی گھٹائیں اٹھنے لگتیں---- جب فکرو خیال کے بادل برسنے لگتے---- شعرا بلنے لگتے---- جھرنے چلنے لگتے---- قرطاس وقلم کا نصیبہ جاگ اٹھتا---- ان کی روح بولتی چلی جاتی---- ان کا قلم لکھتا چلا جاتا---- ''شاعری جب ہاتف غیبی کی ترجمان ہو جائے تو اپنی بلندیوں کو چھونے لگتی ہے۔''

نعت جذبات واحساسات کو متوازن رکھنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے---- انسان کی طبعی وحشت کو طمانیت وسکون سے بدل دیتی ہے---- فکر وخیال میں یک سوئی اور یک رنگی پیدا کرتی ہے---- محبت کرنے والے میں جب جمالِ محبوب منعکس ہوتا ہے تو اس کے قول وعمل اور فکر وخیال میں محبوب کے جلوے نظر آنے لگتے ہیں---- جتنا قریب ہوتا جاتا ہے---- اتنا ہی محبوب کے رنگ میں رنگتا جاتا ہے---- یہاں تک کہ خود محبوب بن جاتا ہے---- رضؔا بریلوی نے اپنی نعتیہ شاعری میں اس جانِ

جاں، جانِ ایماں صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سموکر رکھ دی--- دیوان کیا ہے، حریم ناز کے پردے اٹھے ہوئے ہیں--- جمال محبوب، ادائے محبوب، کلام محبوب، خرام محبوب، عطائے محبوب، رضائے محبوب، وفائے محبوب--- جدھر دیکھئے، محبوب ہی محبوب--- جدھر دیکھئے نور ہی نور--- سبحان اللہ، سبحان اللہ!

دل نور ،جگر نور، زباں نور، نظر نور
یہ کیا ہے مری خاطر ناشاد کا عالم !

رضاؔ بریلوی جب اپنے محبوب دل آراء کی محبت میں ڈوبتے ہیں اور اس کے حسنِ دل افروز کو شعروں میں ڈھالتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے جیسے دل مچل رہے ہوں--- جیسے آنکھیں برس رہی ہوں--- جیسے سینے پھک رہے ہوں--- جیسے چشمے ابل رہے ہوں--- جیسے فوارے چل رہے ہوں--- جیسے گھٹائیں چھا رہی ہوں...... جیسے پھوار پڑ رہی ہو--- جیسے مینہ برس رہا ہو--- جیسے جھرنے چل رہے ہوں--- جیسے دریا بہہ رہے ہوں--- جیسے صبا چل رہی ہو--- جیسے پھول کھل رہے ہوں--- جیسے خوشبو مہک رہی ہو--- جیسے تارے چمک رہے ہوں--- جیسے کہکشاں دمک رہی ہو--- جیسے آفاق پھیل رہے ہوں--- جیسے دنیا سمٹ رہی ہو--- جیسے زمیں سے اٹھ رہے ہوں--- جیسے فضاؤں میں بلند ہو رہے ہوں--- جیسے آسمانوں میں پھیل رہے ہوں--- جیسے دروازے کھل رہے ہوں--- جیسے ایک نئے جہاں میں جھانک رہے ہوں--- جیسے قدسیوں سے باتیں کر رہے ہوں--- جیسے حوروں سے سرگوشیاں کر رہے ہوں--- جیسے باغ بہشت کی سیر کر رہے ہوں--- جیسے کوثر و تسنیم سے سیراب ہو رہے ہوں--- جیسے سینوں میں وسعت کونین سما رہی ہو--- جیسے جلوۂ یار کو آمنے سامنے دیکھ رہے ہوں--- جیسے وہ آ رہے ہوں--- جیسے وہ جا رہے ہوں--- جیسے وہ ہنس رہے ہوں--- جیسے وہ رو رہے ہوں--- جیسے وہ بول رہے ہوں--- جیسے وہ مسکرا مسکرا کر دل کی کلیاں کھلا رہے ہوں--- جیسے ہم ان کو دیکھ دیکھ کر مر رہے ہوں، جی رہے ہوں--- جیسے ان کے نور کی خیرات لوٹ رہے ہوں--- جیسے ان کے کرم کی بہاریں دیکھ رہے ہوں--- رضاؔ بریلوی کے نعتیہ نغموں کی کیا بات!--- ایک ایک حروف چمک رہا ہے--- ایک ایک لفظ دمک رہا ہے--- ایک ایک مصرع چہک رہا ہے--- ایک ایک شعر میں جہان معنی آباد ہیں۔

جدید تحقیق کے مطابق رضاؔ بریلوی ۷۵ سے زیادہ علوم وفنون میں مہارت رکھتے تھے، تقریباً

پندرہ علوم وفنون کا تعلق براہِ راست شعر وادب سے ہے---- بلکہ ان کے شعری اور نثری ادب میں ان کے ہر علم وفن کی جھلک نظر آتی ہے---- ویسے ادب کا دامن بہت وسیع ہے---- شاید اتنا وسیع کسی علم و فن کا دامن نہ ہوگا---- جس علم پر اس کی تجلی پڑتی ہے، اس کا ہو جاتا ہے---- ادب ایک ایسا عطر مجموعہ ہے جس کی خوشبو سے مشام جاں معطر ہوتا ہے---- الفاظ وحروف، اس کا جسم ہیں اور جذبہ اس کی روح---- روح اس کی بستی ہے---- دل اس کا گھر ہے---- دماغ اس کی سواری ہے---- آنکھیں اس کی خادم ہیں---- قلم اس کا چوبدار ہے----

مطالعہ ومشاہدہ جتنا وسیع ہوتا جاتا ہے---- ذہنی افق اتنا ہی پھیلتا جاتا ہے---- پھر مطالعہ و مشاہدہ کا ایک جہاں نہیں، بیسیوں جہاں ہیں---- خارجی بھی داخلی بھی---- ہماری دنیا صرف یہ جہاں ہے---- مگر دیدہ ور کی نظر میں ہر جا جہانِ دیگر ہے---- رضؔا بریلوی کا مطالعہ اور مشاہدہ بڑا وسیع تھا، اس لیے ان کا ذہنی افق وسعتوں کو اپنے آغوش میں لیے ہوئے ہے---- ہم ان وسعتوں میں پرواز کرتے ہیں مگر پا نہیں سکتے---- اس کی حدود کو چھو نہیں سکتے---- ان وسعتوں کے باہر جانا تو بہت دور کی بات ہے---- فکر وفن کے بھی سماوات ہیں---- ان کی پہنائیوں کو وہی پا سکتے ہیں جو اداشناس ادب ہوں۔

رضؔا بریلوی کی شاعرانہ خوبیوں کی کیا بات کی جائے---- کون سی خوبی ہے جو یہاں نہیں---- ان کی شاعری پیکر حسن وجمال ہے---- سبحان اللہ سبحان اللہ!---- معانی وبیان کی دل آویزیاں---- صنائع وبدائع کی جلوہ ریزیاں---- تشبیہات واستعارات کی سحر انگیزیاں---- الفاظ وحروف کی حیرت انگیز صف بندیاں---- محاوروں کا حسین امتزاج---- روزمرہ کا دل آویز استعمال---- طرز ادا کی رنگینی و بانکپن---- سادگی و پرکاری---- ندرت فکر وخیال---- بے ساختگی و برجستگی---- موسیقیت و نغمگی---- رفعت مضامین---- نکھرے ستھرے پاکیزہ اشعار---- سراپا انتخاب---- فکر وخیال کو جس سانچے میں ڈھالتے ہیں حسین سے حسین نظر آتا ہے---- غزل کو اتنا بلند کیا کہ نعت بنادیا اور نغمۂ نعمت کو اس بلند آہنگی سے چھیڑا کہ زمین وآسمان گونجنے لگے۔

کلام رضؔا میں توحید کی ضیا باریاں

☆ پروفیسر فاروق احمد صدیقی

توحید خدائے پاک کی یکتائی و بے ہمتائی پر ایمان کامل رکھنے کا نام ہے۔ اس کا ایک اجمالی تعارف اس معروف و مقبول جملے میں ملتا ہے کہ "اللہ ایک ہے، پاک اور بے عیب ہے، اُس جیسا اور کوئی نہیں، وہ سب سے بڑا بادشاہ ہے۔" قرآن و احادیث میں توحید باری کے متعلق جتنے بیانات وارشادات ملتے ہیں، اُن سب کا خلاصہ و نچوڑ مرقومہ بالا جملے میں پوری اکملیت کے ساتھ موجود ہے۔ توحید کے تحت خدائے بزرگ و برتر کی ذات وصفات کی بوقلمونی کا بیان ہوتا ہے۔ خدا کی عظمت و کبریائی چونکہ لامحدود ہے اس لئے شاعری میں خدا کی توحید بیان کرنے کے لئے شاعروں کو لامحدود فضا ملتی ہے۔ اب یہ اُن کے شاعرانہ ذوق وظرف پر منحصر ہے کہ وہ کس حد تک صفاتِ خداوندی اور تجلّیاتِ ربّانی کے کیفِ مشاہدہ یا تخیل کو اظہار کی حدوں میں سمیٹ سکتے ہیں۔ وہ ذات جو کسی کے مثل نہیں، اور کوئی شئے اس کے مثل، جو عرش پر مستوی ہے، مگر عرش کو اس کی جستجو ہے، اور جو کائنات کے ذرّے ذرّے میں پنہاں اور مستور ہے، اور جو ماورائے احساس وادراک ہے اور پھر بھی حبل الورید سے اقرب ہے، اس کے بیان کو محسوسات کے دائرے میں لانا بڑے زرِ تخیّل اور بلند حوصلگی کا تقاضا رکھتا ہے۔ ہاں اس کے اسمائے صفات کی بدولت کچھ بات بن سکتی ہے، اور یہی کوشش ہمارے شاعروں کے یہاں ملتی ہے، اور حضرت رضؔا چونکہ امام الشعرا ہیں، اس لئے ان کے یہاں یہ کوشش پوری تکمیلی شان کے ساتھ بروئے کار آئی ہے۔ اُن کے ایک عربی قصیدہ کے یہ ابتدائی اشعار ملاحظہ ہوں، جن میں توحید کی عظمت وجلالت کا بڑا کیف آگیں بیان ملتا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلْمُتَوَحِّدِ بِجَلَالِهِ الْمُتَفَرِّدِ
وَصَلٰوَاتُهٗ دُوْمًا عَلٰی خَیْرِ الْاَنَامِ مُحَمَّدٖ

(تمام تعریفیں خدائے یکتا کے لئے ہیں جو اپنے جلال میں یگانہ وتنہا ہے اور اُس کی رحمت بے پایاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی رہے جو تمام خلائق میں سب سے افضل واعلیٰ ہیں)

معتبر روایات کے مطابق جامعہ ازہر کے عالموں اور ادیبوں نے جب ان اشعار کو سنا تو حیرت و استعجاب کا عالم ان کی نگاہوں کے سامنے پھر گیا، اور یہ تبصرہ کیا کہ ایک غیر عرب کا ایسا مرصّع کلام کہنا بڑے کمال کی بات ہے۔

جہاں تک حضرت رضاؔ کے اردو کلام میں توحید کی ضیا باریوں کا تعلق ہے تو اس میں شک نہیں کہ حضرت رضاؔ کے نعتیہ مجموعہ ''حدائق بخشش'' کے دونوں حصوں کے آغاز میں روایتی طور پر کوئی حمد نہیں ملتی ہے، مگر اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ کلام رضاؔ توحید کی ضیا باریوں سے محروم ہے۔ ایک سطحی نظر والا ہی ایسا سوچ سکتا ہے۔ آیت پاک ''من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ'' کے مطابق جب رسول کی اطاعت، خدا ہی کی اطاعت ہے تو اس کا صاف منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رسول کی مدح و ثنا بالواسطہ طور پر خدائے عزوجل ہی کی حمد و ثنا ہے۔ اور یہ بھی اک مسلّمہ حقیقت ہے کہ مخلوق کی تعریف سے خالق کی تعریف ہی مقصود و متصور ہوتی ہے۔ اس لئے یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ حدائق بخشش کے دونوں حصے (تیسرا حصہ میرے پیش نظر نہیں ہے) نعتِ رسول کے ساتھ ساتھ توحید الٰہی کے جلووں سے بھی معمور و مستنیر ہیں، اور ایسا ہونا ہی تھا کیونکہ خود بقول حضرت رضاؔ ؎

ذِکرِ خدا جو اُن سے جُدا چاہو نجدیو
واللہ ذِکر حق نہیں، کُنجی سقر کی ہے

چنانچہ حدائق بخشش کے دوسرے حصے کے آخر میں ایک مستقل حمد ہے جس میں توحید باری کے ساتھ ساتھ نعتِ رسول کے بھی حسین جلوے نظر آتے ہیں، یا یہ کہیں کہ یہ ایک ایسی نعتِ رسول ہے جس میں توحید کی کہکشاں بھی نور افشاں نظر آتی ہے۔ یہ بیک وقت حمد بھی ہے اور نعت بھی۔ اس طرح حمد و نعت کو ہم رنگ و ہم آہنگ کر کے پیش کرنے کی سعی مشکور صرف اور صرف حضرت رضاؔ ہی نے کی ہے صرف ایک شعر ملاحظہ ہو ؎

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا

کلام رضاؔ میں توحید کی ضیا باریوں سے متعلق تمام اشعار کو زیر بحث لانا طول مبحث کا باعث ہوگا، اس لئے یہاں صرف چند منتخب اور نمایندہ اشعار کے حوالے سے ہی گفتگو ہوگی۔

اربابِ علم ودانش کے نزدیک سمندر کو کوزہ میں سمونا اور کوزہ کو سمندر کی وسعت عطا کرنا، دونوں اعلیٰ درجہ کا فنکارانہ عمل ہے۔ اِس تناظر میں دیکھئے تو حضرت رضؔا نے اپنے ایک مصرع میں سمندر کو کوزہ میں بند کردینے کی فنکاری کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ یہاں بظاہر خدائے پاک کی صرف ایک ہی صفت کا بیان ہوا ہے، مگر اس میں جہانِ معنی پوشیدہ ہے۔ اختصار میں جامعیت، تہداری اور طرح داری کے حُسن کے ساتھ ساتھ اس کو فنی خوش سلیقگی کے ساتھ برتنے کا پیارا اور انوکھا انداز ملاحظہ ہو ؎

مژدہ باد اے عاصیو، شافع شہِ ابرار ہے تہنیت اے مجرمو، ذاتِ خدا غفّار ہے

داد دیجئے کس ایمانی جوش وجذبے اور فخر وطرب کے ساتھ حضرت رضؔا نے خدائے پاک کی صفت غفّاری کا بیان کیا ہے۔ خود تو فرطِ مسرّت سے سرشار ہیں ہی، تمام مجرموں کو بھی مبارکباد دے رہے ہیں کہ جب ہمارا رب کریم، غفّار ہے تو پھر آخرت کی ہولنا کیوں سے ڈرنا کیا ہے۔ وہ خدائے بندہ پرور ضرور ہمارے گناہوں کو بخش دے گا۔ اِسی مضمون کا ایک اور شعر کلامِ رضؔا میں ملتا ہے ملاحظہ ہو ؎

کیوں رضؔا کُڑھتے ہو، ہنستے اُٹھو جب وہ غفّار ہے کیا ہونا ہے

یہاں بھی خدائے ارحم الراحمین کی شانِ غفّاری پر مچلنے اور اترانے کا انداز بہت ہی نشاط افزا اور طمانیت بخش ہے۔ دوسرے مصرع میں ''کیا ہونا ہے'' کا ٹکڑا غضب کا ہے۔ بار بار پڑھئے اور حظ اُٹھائیے، اور رحمتِ خداوندی کے بیکراں سمندر میں بالکل بےفکری اور بے نیازی کے ساتھ شناوری کیجئے۔

رب تعالیٰ کی ایک صفت اس کا ستّار ہونا بھی ہے، جس طرح وہ غفّار الذّنوب ہے، ستّار العیوب بھی ہے۔ ہم رات دن معاصی کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں اور وہ ان پر پردے ڈالتا رہتا ہے۔ حضرت رضؔا فرماتے ہیں کہ اے رب کریم جس طرح دنیا میں تونے ہمارے جُرموں کی طرف سے چشم پوشی کی ہے، آخرت میں بھی ہمارے نامۂ اعمال کو پردۂ خفا ہی میں رکھنا، ورنہ تیرا یہ عبدِ ضعیف کہیں کا نہیں رہے گا۔ کس جذبۂ عبودیت اور انکسار کے ساتھ وہ بارگاہ ایزدی میں استغاثہ کرتے ہیں، ملاحظہ ہو۔ ؎

اپنی ستّاری کا یارب واسطہ
ہُوں نہ رسوا، برسرِ بازار ہم

یہاں ''بازار'' سے مراد بازارِ قیامت ہے، جہاں اولین وآخرین کا مجمع ہوگا وہاں کی خجالت و پشیمانی کتنی عبرتناک ہوگی، بس اس کا تصور ہی کیا جاسکتا ہے۔ اُسی سے بچنے کے لئے حضرت رضؔا، بارگاہِ ستّار العیوب میں فریاد کناں ہیں۔

اور اب وہ شعر دیکھئے جس میں خدائے ذوالجلال کی صفت قہاری کا بیان ہوا ہے۔ یہ امر محتاج وضاحت نہیں کہ ہمارا رب جہاں رؤف ہے، رحیم ہے، ستّار ہے، غفّار ہے، وہاں قہّار وجبّار بھی ہے۔ اِس کا تصور کر کے ہی ایک حسّاس آدمی لرزہ براندام ہوجاتا ہے۔ چنانچہ حضرت رضاؔ بھی رب تعالیٰ کی صفت قہاری کا بیان کرتے ہوئے لرزاں وترساں نظر آتے ہیں۔ ایک بندۂ مومن کی شان یہی ہے کہ جہاں وہ ارحم الراحمین کی رحمتوں پر مچلے، وہیں اس کے قہر وغضب سے بھی ڈرتا رہے، اور جو شخص جس قدر خدائے پاک کا محبوب ومقرب ہوتا ہے اتنا ہی اُس سے ڈرتا بھی ہے حضرت رضاؔ کے مقبولِ بارگاہ ہونے میں کیا شبہہ ہے۔ مگر ان کے جذبۂ عبودیت کو تو یہ کہنا ہی تھا کہ ؎

خدائے قہّار ہے غضب پر، کھلے ہیں بدکاریوں کے دفتر
بچالو آکر شفیع محشر، تمہارا بندہ عذاب میں ہے

یعنی کل عرصات قیامت میں خدائے قہار کے غیظ وغضب سے بچنے کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہمیں حاصل ہوجائے۔ (آمین)

حضرت رضاؔ کو خدائے رؤف ورحیم کی رحمتوں پر کس قدر بھروسہ ہے اس کا احساس واندازہ درج ذیل شعر سے بھی ہوگا ؎

تو ہی بندوں پہ کرتا ہے لُطف وعطا، ہے تجھی پہ بھروسا تجھی سے دعا
مجھے جلوۂ پاک رسول دکھا، تجھے اپنے ہی عزّ و علا کی قسم

میں نہیں سمجھتا کہ توحید باری کا اس سے عمدہ اور ایمان افروز بیان اور کیا ہوسکتا ہے۔ حضرت رضاؔ، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شوقِ فراواں رکھتے ہیں، لیکن اس کی توفیق اپنے معبود برحق ہی سے چاہتے ہیں اور یہی توحید کامل ہے۔

توحید الٰہی کا مظہر ایک اور اہم اور نمایندہ شعر ملاحظہ ہو، حضرت رضاؔ فرماتے ہیں ؎

محمد مظہر کامل ہے، حق کی شان عزت کا
نظر آتا ہے، اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا

بہت ہی بلند اور استادانہ شعر ہے۔ دوسرے مصرع میں کثرت اور وحدت کا لفظ صفت تضاد کا لطف دیتا ہے، اس میں کوئی دو رائیں نہیں کہ حضور خواجۂ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم صفاتِ خداوندی کے مظہر اتم ہیں، اور صفات خداوندی کی نہ کوئی حد ہے نہ شمار۔ وہ ایک ایسی کثرت ہے جس کا

ادراک واحاطہ نہیں کیا جاسکتا۔اس نعت کے شعر میں توحید کی بوقلمونی کا ایسا عمدہ اور پاکیزہ بیان ملتا ہے جو حضرت رضاؔ کے خامۂ زرنگار ہی سے متوقع ہوسکتا ہے۔

اوراب آخر میں حضرت رضاؔ کی ایک مشہور نعت کے درج ذیل تین اشعار نقل کئے جاتے ہیں ،جن میں توحید کی ضیا باریاں ہم دوشِ ثریا نظر آتی ہیں بلکہ اس سے بھی بلند وارفع مقام پر دکھائی دیتی ہیں ،ان اشعار کے منصۂ شہود پر آنے کا ایک خاص ہی منظر ہے وہ یہ کہ بیسویں صدی کے اوائل میں پیدا شدہ ایک بدبخت جماعت نے امکانِ کذب باری تعالیٰ کا عقیدۂ باطلہ گڑھا اوراپنی تحریر و تصنیف کے ذریعہ اس کو پھیلایا اس پر علمائے حق نے اس ضال ومضل گروہ کے اکابرین کی شرعی گرفت کی مگر وہ ''ختم اللّٰہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ'' کے نمونۂ کامل بن کر بیہودہ تاویلیں کرتے رہے اور قبول حق سے صاف انکار کردیا۔اس پر خدا اور سول کے محب صادق حضرت رضاؔ بریلوی کی غیرت توحید حرکت میں آگئی اور آپ نے ناموس الٰہی کے دفاع میں یہ ایمان افروز اشعار کہے ؎

مگر خدا پہ جو دھبّہ دروغ کا تھوپا   یہ کس لعیں کی غلامی کا داغ لے کے چلے

وقوع کذب کے معنی درست اور قدوس   ہئیے کی پھوٹے ،عجب سبز باغ لے کے چلے

جہاں میں کوئی بھی کافر سا کافر ایسا ہے   کہ اپنے رب پہ سفاہت کا داغ لے کے چلے

ان اشعار کی تشریح کی ضرورت نہیں ،یہ خود زبان حال سے اپنا تعارف کرارہے ہیں۔دنیا میں ایک سے ایک گمراہ فرقہ پیدا ہوا مگر کسی نے اپنے رب اور معبود کو عیبی نہیں قرار دیا۔یہ ہمارے ملک ہندوستان جنت نشان میں ''دیو کے بندوں'' کا تفرد اور امتیاز خاص ہے کہ اس نے اللہ ایک ہے پاک اور بے عیب ہے ،کہ عقیدۂ حقہ پر خط بطلان کھینچ دیا۔اور توحید کی امانت کو اللہ کے سادہ لوح بندوں کے سینوں سے نکال کر ان کو ایمانی اعتبار سے مفلس وقلاج بنادیا۔اور لطف یہ کہ خود توحید کے تنہا اجارہ دار بھی بنے رہے۔غالباً ایسوں ہی کے لئے کہا جائے گا کہ ؎

کعبہ کس منہ سے جاؤگے غالبؔ   شرم تم کو مگر نہیں آتی

سطور بالا میں کلام رضاؔ میں توحید کی ضیا باریوں سے متعلق محض چند جھلکیاں دکھلائی گئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے اعتراف ہے کہ موضوع کا حق ادا نہیں ہوسکا ہے۔ان شاء اللہ تعالیٰ راقم الحروف پھر اس موضوع پر مزید غور وخوض کرے گا۔السعی منی والاتمام من اللّٰہ ☆☆☆

امام احمد رضا امام نعت گویاں

☆توفیق احسنؔ برکاتی

جملہ اصناف سخن میں نعت نگاری کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے، یقیناً یہ ایک ایسا راستہ عبور کرنا ہے جس کے دونوں طرف خاردار جھاڑیاں اور گہری وادیاں ہیں، اس کی سرحدیں پار کر لیجانا بہت بڑی کامیابی ہے، بہت کم شعرا ہی اس میدان میں پورے طور پر کامیاب ہوئے اور نعت کی جملہ حدود کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے قرطاس وقلم سے ملاقات کی پھر خوش گوار اور پر سکون فضا نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا، انہیں فتح ونصرت کے تمغۂ عظمیٰ سے نوازا گیا۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے بے شمار میدانوں میں اپنی خداداد لیاقت وصلاحیت کا مظاہرہ کیا اور الحمد للہ ان سب میں معونت خداوندی اور فضل ربی سے کامیابی وکامرانی کا علم لے کر واپس ہوئے ،آپ کی علمی لیاقت کو علم وادب کے بڑے بڑے سورماؤں نے تسلیم کیا، نہ صرف تسلیم کیا، بلکہ تحسین وتبریک سے نوازنا ان کی مجبوری بن گئی ،آپ نے علمی وفقہی تحقیقات میں اپنا کوئی شریک وسہیم نہ چھوڑا ۔میدان شعر وسخن میں اس بطل جلیل نے جب طبع آزمائی کی تو دوسروں کے لیے سراپا مثال بن گئے، شعر گوئی کے لوازمات ومطالبات کو اتنی مہارت وخوب صورتی کے ساتھ پورا کیا کہ ہوش وخرد کی قوت پرواز بھی جبین نیاز خم کرنے پر مجبور ہوگئی ،صرف یہی نہیں بلکہ ان اشعار کے اندر استعمال کی گئی تشبیہات وتمثیلات ،استعارات وکنایات، تعبیرات وترکیبات کو سند کا درجہ حاصل ہوگیا پھر تمام ارباب شعر وادب نے بالاتفاق آپ کی شہنشاہیت کو مان لیا جبھی تو آپ نے اس حقیقت کا برملا اظہار فرمایا۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیے ہیں

جناب عابدؔ نظامی صاحب لکھتے ہیں: ”یہ کوئی شاعرانہ تعلّی نہیں، بلکہ عین حقیقت ہے، ان کے اشعار پڑھتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے فصاحت وبلاغت ،حلاوت وملاحت، لطافت ونزاکت یہ سب ان کے ہاں کی لونڈیاں ہیں“ (ماہ نامہ ضیائے حرم لاہور جولائی ۱۹۷۲ ص ۵۴)

امام احمد رضا ایک ایسے مخلص عاشق رسول کا نام ہے کہ آج غلامان مصطفی وعاشقان نبی اس عاشق صادق کے درِ عقیدت والفت پر سوالی بن کر کھڑے نظر آتے ہیں، انداز مانگتے ہیں، والہانہ عشق ومحبت کا سلیقہ طلب کرتے ہیں، دردوسوز کے کیف وکم کا سوال کرتے ہیں، عرض کیا ہے ؎

نبی سے عشق والفت کا سلیقہ ہم کو آجائے
تصور میں خدا پیدا کبھی احمد رضا کردے

(احسنؔ برکاتی)

امام احمد رضا صرف ایک شاعر ہی نہ تھے بلکہ مقام نبوت کے رمز شناس اور عارف بھی تھے۔ انہوں نے آداب نبوت اور مقام رسالت کا خاص خیال رکھا، طبع آزمائی کی، وارفتگی شوق میں بےخود ہو کر پاکیزہ خیالات کو صفحۂ قرطاس پر اتار کر رکھ دیا، شرعی حدود میں رہ کر کوثر وتسنیم میں ڈھلی ہوئی زبان سے اس انداز میں شاعری کی کہ پوری دنیائے شعر وسخن انہیں ''امام الکلام'' ماننے پر مجبور ہوگئی اوران کے کلام کو''کلام الامام'' کہا جانے لگا۔ وجہ تسلیم خاندانی وجاہت وسیادت، شہرت ونام وری اور زودنویسی نہیں، بلکہ عشق کا وہ سوز وگداز اور رنگ وآہنگ ہے جو ان کے ہر ہر شعر سے ٹپکتا، چمکتا، دمکتا اور دکھائی دیتا ہے۔

بلا شبہ امام احمد رضا ایک قادر الکلام شاعر تھے، عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تب وتاب نے ان کو وہ تابانیاں عطا کیں کہ آسمان سخن پر مہر درخشاں بن کر چمکے اور جذبہ صادق کی رعنائیوں نے ان کی جلوہ نما کرنوں کو سخن وری کی تمام گلی، کوچوں کا سچا راہبر اور نشان منزل بنادیا۔ عربی، فارسی، اردو، ہندی چار زبانوں میں نعت نگاری کا حسین سنگم آپ کی مشہور زمانہ نعت ''لم یات نظیرک'' الخ،، میں پہلی بار دیکھنے کو ملا جس نے آپ کی قادر الکلامی، شعر کی جاذبیت ورعنائی، حسن تعبیر وسلاست کی بہترین مثال قائم کردی کہ شاعری خود پروانہ وار کلام رضا پر نثار ہوگئی اور اس کے وجد آفریں نغموں سے پورا میدان سخن گونج اٹھا۔ بلاشبہ یہ فضل خداوندی اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کرم خاص ہے جو امام احمد رضا قدس سرہ کی ذات پر جھما جھم برس رہا ہے جس کی چھینٹوں کی برودت کو پورا عالم زندگی کی معراج مانتا ہے۔

الازہر یونیورسٹی میں شعبۂ اسلامیات کے استاد جناب پروفیسر رزق مرسی ابوالعباس صاحب آپ کی عربی شاعری کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''امام احمد رضا خان عربی نہیں تھے لیکن جب آپ ان کی عربی شاعری پڑھیں گے تو آپ کو خوش گوار حیرت ہوگی کہ ان کے عجمی ہونے کے باوجود ان کی شاعری میں عجمیت کا شائبہ نہیں پایا جاتا، اگر قاری کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ عجمی تھے تو انہیں عربی شاعر گمان کرے گا۔''(سہ ماہی افکار رضا ممبئی اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء ص ٧٦)

امام احمد رضا کے لیے میدان شعر و سخن ثانوی درجہ تھا جس میں انہیں ''امام الکلام'' کا ایوارڈ دیا گیا، اگر اقلیم سخن کا یہ تاجور صرف اسی میدان میں اپنی توانائیاں بکھیرتا تو اس کے کلام کو اور ان کی ذات کو دنیا کس ایوارڈ سے نوازتی ؟

مملکتِ نعت کے فرماں روا۔امام احمد رضا بریلوی

☆ پروفیسر محمد اکرم رضا، گوجرانولہ

امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو خدا نے جن لازوال علمی و فقہی کمالات، باطنی و نظری خصوصیات اور علمی و ادبی خصائص سے نوازرکھا تھا ان میں سے ایک صفتِ خاص آپ کی منفرد نعت گوئی ہے۔ اگر ایسے اساتذۂ فکروفن کی فہرست تیار کی جائے جنہوں نے اس صدی میں ثنائے مصطفیٰ کا پرچم لہرانے والوں کو سب سے زیادہ متاثر کیا تو ان میں یقیناً سرِ فہرست حضرتِ فاضل بریلوی کا اسمِ گرامی ہوگا کہ جن کی نعت گوئی کا اعتراف اپنوں نے ہی نہیں بلکہ بیگانوں نے بھی کیا ہے۔ بلکہ ان نابغہ رُوزگار ثنا گویانِ کوچہ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء میں سے بیشتر نے انہیں فنِ نعت کے حوالے سے اہم سخن گویاں قرار دیا ہے۔ آپ کی نعتیہ شاعری کا سورج جب ایک بار چمکا تو پھر اس کی روشنی کبھی بھی ماند نہ پڑسکی بلکہ ہر آنے والے دور کا شاعر جب مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ذہن و فکر کو آمادہ کرتا ہے تو احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام بلاغت سے راہنمائی ضرور حاصل کرتا ہے۔ جب ایشیا کی مساجد سے لے کر یورپ کے اسلامی مراکز تک ہر جگہ ؎

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ چونکہ بہت بڑے عالمِ دین اور علومِ شریعت سے غیر معمولی آگاہی رکھنے والے نعت گو شاعر تھے اس لیے انہوں نے نعت کے حقیقی مقام و مرتبہ کو اجاگر کیا۔ اس ضمن میں آپ نے نعت کی جو تعریف کی ہے وہ اصحابِ ذوق کے لیے شمعِ ہدایت ہے:

> "حقیقتاً نعت شریف کہنا بڑا مشکل کام ہے جس کو لوگوں نے آسان سمجھ لیا ہے اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں صاف راستہ ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں اصلاً حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب حد بندی ہے۔"

امام احمد رضا بریلوی نے نعت کی شرعی حدود و قیود کا پورا پورا پاس کیا ہے۔ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی نعت عشق و عقیدت کی حسین داستان ہے۔ ایسی داستان کہ جس کا ایک ایک نقطہ ذوق و شوق کی

کیفیات سے بہرہ ور کرتا اور عنایات مصطفوی کا حق دار ٹھہراتا ہے۔ نعت میں عشق و عقیدت کو وہی حیثیت حاصل ہے جو پھول میں خوشبو کو حاصل ہے۔ خوشبو پھول کے باطنی حُسن کو اجاگر کرتی اور اس کی حقیقی پہچان بن جاتی ہے۔ امام احمد رضا بریلوی بہت بڑے عاشق رسول تھے۔ یہی عشق ان کا سرمایۂ حیات اور یہی ادب و احترام ان کا اثاثۂ عمل اور روحانی گداز ان کے لیے ذریعہ نجات تھا۔

مضمون آفرینی کو شاعری کی جان کہا جاتا ہے۔ شاعر جتنا بلند مضمون باندھے گا اس کا کلام اتنا ہی زیادہ مقبولیت عام اور فکری و فنی شوکت کا مقام حاصل کرے گا۔ اعلیٰ حضرت نے نعتِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) رقم کرتے ہوئے مضامین آفرینی کی سربلندیوں کو چھوتے ہوئے بھی ادب و احترامِ مصطفیٰ کو فراموش نہیں کیا کیونکہ آپ سمجھتے تھے کہ اس کوچۂ ارادت و عقیدت میں معمولی سی ٹھوکر بھی انہیں بلند مقام سے نیچے گرا سکتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ آپ نے خود نعت کے تقدس کو ملحوظ رکھا بلکہ دوسرے شعرا کی بھی راہنمائی فرمائی۔ چنانچہ اردو کے بلند پایہ شاعر حضرت اطہر ہاپوری نے ایک نعت لکھ کر آپ کی خدمت میں بھیجی جس کا مطلع یہ تھا ؎

کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے
مجنوں کھڑے ہیں خیمۂ لیلیٰ کے سامنے

اعلیٰ حضرت نے سن کر ناراضگی کا اظہار کیا کہ دوسرا مصرعہ مقامِ نبوت کے لائق نہیں ہے۔ آپ نے قلم برداشتہ اصلاح فرمائی ہے ؎

کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے
قدسی کھڑے ہیں عرش معلّٰی کے سامنے

اعلیٰ حضرت کی اس اصلاح سے اطہر ہاپوڑی کی مضمون آفرینی اور رفعتِ تخیل کو چار چاند لگ گئے۔

حضرت احمد رضا خاں صفت و ثنائے حضور میں اس درجہ محو ہوئے کہ تمام زیست نعت کے علاوہ کسی اور طرزِ سخن کی جانب توجہ نہ کی۔ حضور آقائے دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام تو سلطانِ اقالیم دو عالم ہیں۔ افتخارِ آدم و بنی آدم ہیں رحمت پناہِ عاصیاں اور چارۂ بے چارگاں ہیں۔ آپ کا دربار وہ دربارِ معلّٰی ہے جہاں سے گداؤں کو شہنشاہی اور بوریا نشینوں کو عشق و عقیدت کے نام پر کھلا ہی عطا ہوتی ہے۔ اس لیے کون چاہے گا کہ ایک بار اس دربارِ معلّٰی سے نسبت حاصل کر کے کسی اور دروازے کی

طرف دیکھے یا اپنے دور کے کسی سلطان یا امیر کا قصیدہ کہے۔ شاہ احمد رضا علیہ الرحمۃ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسبت پر اس قدر ناز تھا کہ اس کا اظہار ان کے کلام میں جا بجا ملتا ہے ؎

کروں مدحِ اہلِ دُوَل رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے نعت کو ان بلندیوں پر پہنچا دیا کہ زمانے کو ان کی عظمت تسلیم کرتے ہی بنی۔ نعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وہ افتخار ہے کہ نعت گو شاعر بے اختیار اس کے احساس سے اپنے جذبات کو وجد میں لے آتا ہے۔ اس لیے شاہ احمد رضا خاں فرماتے ہیں ؎

مُلکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیے ہیں
یہی کہتی ہے بُلبلِ باغِ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصف شاہِ ہدیٰ مجھے شوخیٔ طبعِ رضا کی قسم
گونج گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستاں
کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے

جب اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسنِ باطنی اور جمالِ سیرت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ان کا انداز بیان دیدنی ہوتا ہے ان کی نگاہوں میں حضور نبی کریم کے تمام خصائص و کمالات گھومنے لگتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی عظمتِ کردار، رفعتِ گفتار، بے پایاں رحمۃ للعالمینی، میدان محشر میں آپ کی شفیع المذنبینی، گنہگار امت کے لیے حضور کی گریہ وزاری، خطا کاروں کی بخشش کے لیے رحمت شعاری، جُود و کرم کی فراوانی، لطف وعنایات کی فراخ دامانی، اخلاق عالیہ کی رفعت، سیرت و کردار کی عظمت خدا کی اپنے محبوب پر بے پایاں عنایت اور حضور نبی کریم کا امت کے لیے ہر آن امنڈتا ہوا بحر شفاعت، یہ سب خصائص جب احمد رضا خاں کے قلم میں سمائے ہیں تو ان کے خامہ عنبر فشاں کو نئی توانائی اور ان کے ذوقِ مدحت کو حیرت انگیز گہرائی و گیرائی وعطا ہوتی ہے۔

شاہ احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ کی نعتیہ شاعری کا وہ حصہ دلوں کو بے اختیار گداز آشنا کرتا ہے جب آپ حرمین شریفین کی جانب سفر کی تیاری کرتے ہیں۔ مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کو دیکھنے کی تمنّا ہر

صاحبِ ایمان کے دل میں مچلتی ہے اور پھر جب وہ شخصیت اس مبارک سفر پر روانہ ہو رہی ہو جس نے عمر بھر عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دیا ہو۔ توحیدِ خداوندی کے آداب سکھائے ہوں، احترام و عقیدتِ رسول کی چمک عطا کی ہو۔ دلوں میں شمعِ عشقِ رسول جلا کر اجالا کیا ہو۔ جس کی اپنی زندگی عشقِ مصطفوی کی تصویر اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی تفسیر ہو۔ جس کے شب و روز بیت اللہ کے طواف اور حرمِ نبوی کی زیارت کے تصور میں گزرتے ہوں۔ تو پھر اس پر کیف سامانی کا سحاب کس شان سے پرتوفگن ہوگا۔ اس کا تذکرہ بہار آفریں بھی ہے اور روحانی لطف و سرور کا باعث بھی۔

جب آپ حجِّ بیت اللہ کی سعادت حاصل کر کے مدینۂ منورہ حاضر ہوتے ہیں تو ان کی کیفیت دیدنی ہوتی ہے اور مدینہ منورہ کا تصور ان سے کس طور خراجِ عقیدت حاصل کرتا ہے اس کی جھلک ملاحظہ ہو ؎

حاجیو! آؤ، شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو
غور سے سُن تو رضا! کعبہ سے آتی ہے صدا
میری آنکھوں سے مرے پیارے کا روضہ دیکھو

مدینۂ منورہ کے بارے میں احترام و عقیدت کا کس شان سے اظہار کرتے ہیں انداز دیکھیے ؎

مدینے کے خطّے خدا تجھ کو رکھے
غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے
حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

اور پھر مدینہ منوّرہ کی گلیوں میں اس عاشقِ رسول کے دل پر کیا گزرتی ہے۔ آنکھیں کس طرح اشکوں کی لڑیاں پروتی ہیں۔ انہیں یہاں ہر گام پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوے نظر آتے ہیں۔ ایک طرف آپ کی بے قراری ہے اور دوسری طرف آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی نوازشوں کا احساس۔ اسی احساس سے سرشار ہو کر مدینہ طیبہ کے گلی کوچوں کا طواف کرتے ہیں۔ گنبدِ خضریٰ کی زیارت کرتے کرتے جی نہیں بھرتا، دل مکینِ گنبدِ خضریٰ کی زیارت کے لیے مچلتا رہا۔ یہی بے قراری رنگ لائی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عنایاتِ بے کراں سے نوازے گئے۔

شاہ احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ کا نعتیہ مجموعہ ”حدائق بخشش“ ہے جس کا اولین سالِ اشاعت 1325ھ ہے۔ رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کے نعتیہ کلام کا ایک دلاویز اور خوبصورت حصّہ نعتیہ قصائد پر مشتمل ہے۔ ان میں سے قصیدۂ نور، قصیدۂ معراجیہ اور آپ کا طویل سلام خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ قصیدہ ور میں بطورِ خاص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ اقدس کے حوالے سے آپ کی صفات عالیہ کو موضوعِ شاعری بنایا گیا ہے۔ یہ قصیدہ اس قدر جامع اور اثر آفریں ہے کہ بے شمار عشاقِ مصطفیٰ اسے وظیفۂ عقیدت جان کر پڑھتے ہیں ؎

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
تاج والے دیکھ کر تیرا عماما نور کا
سر جھکاتے ہیں الٰہی بول بالا نور کا
تیری نسل پاک میں ہے بچّا بچّا نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

”قصیدۂ معراجیہ“ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سفیرِ معراج کے حوالے سے آپ کی عظمت وفضیلت کا ذکر کیا گیا ہے۔

یہ قصیدہ بذاتِ خود فکر وفن کا شہکار اور کاروانِ مدحت نعت کا افتخار ہے۔ طویل بحر میں لکھا گیا یہ قصیدہ تشبیہات، استعارات اور برجستہ تراکیب کے حوالے سے اردو ادب کے لیے سرمایۂ اعزاز ہے۔ یہ قصیدہ آپ کی جَوْدَت وحِدّتِ طبع کا آئینہ دار ہے۔ روانی وتسلسل اور زبان کی لطافت وپاکیزگی کے اعتبار سے معاصرین کے معراجیہ قصائد میں سب سے بلند ہے۔ اعلیٰ حضرت کے ہم عصر مشہور نعت گو شاعر محسن کاکوروی نے انہیں دنوں معراج پر قصیدہ ”سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل“ لکھا تھا۔ محسن کاکوروی اپنا قصیدہ سنانے کے لیے بریلی میں مولانا احمد رضا خاں کے پاس گئے۔ ظہر کے وقت دو شعر سننے کے بعد طے ہوا کہ محسن کاکوروی کا پورا قصیدہ عصر کی نماز کے بعد سنا جائے۔ عصر کی نماز سے قبل مولانا نے خود یہ قصیدہ معراجیہ تصنیف فرمایا۔ نماز عصر کے بعد جب یہ دونوں بزرگ اکھٹے ہوئے تو مولانا نے محسن کاکوروی سے فرمایا کہ پہلے میرا قصیدہ معراجیہ سن لو۔ محسن کاکوروی نے جب مولانا کا قصیدہ سنا تو اپنا قصیدہ لپیٹ کر جیب میں ڈال لیا اور کہا مولانا آپ کے قصیدے کے بعد

میں اپنا قصیدہ نہیں سنا سکتا۔

مولانا احمد رضا خاں کا سلام ہر لحاظ سے ادب عالیہ کا ایک حصہ ہے۔ اسے فنِ شاعری کے حوالے سے دیکھیں، یا محبت و عقیدت کے حوالے سے ثنائے مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں دیکھیں یا الفاظ و تراکیب کی برجستگی کے حوالے سے۔ اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ سلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی سراپا کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کے ایک ایک عضو پر عقیدت کی مہکبار پتیاں نچھاور کی گئی ہیں ؎

شہر یارِ ارم تاجدارِ حرم
نوبہار شفاعت پہ لاکھوں سلام
صاحب رجعتِ شمس و شق القمر
نائب دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام
قدِّ بے سایہ کے سایۂ مرحمت
ظلِّ ممدودِ رافت پہ لاکھوں سلام
دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام
جن کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام
پتلی پتلی گل قدس کی پتیاں
ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام

امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی نامور محدث اور علومِ شریعت کے عالم کامل تھے۔ تاریخ اور سیرت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن ادوار پر آپ کی گہری نظر تھی۔ اس لیے آپ نے جہاں حُسنِ تغزل کی بہار بکھیرتے ہوئے اپنے آقا و مولا کے لامتناہی فیوض و برکات کا تذکرہ کیا ہے وہاں آپ نے اپنے علمی کمالات اور علوم دینیہ پر گہری گرفت رکھنے کی بنا پر بہت سے ایسے واقعات اور معجزات کی طرف بھی اشارا کیا ہے جن سے عظمت و شانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار ہوتا ہے۔ اس ضمن میں ان کی قرآن فہمی اور احادیثِ نبوی پر عبور نے انہیں بہت مدد دی ہے۔ بعض نعتیہ اشعار تو آیات قرآنی

اور احادیث نبوی کا منظوم ترجمہ معلوم ہوتے ہیں۔آپ نے قرآنی آیات اور احادیث کو اس خوبی سے اپنی نعتوں میں سمویا ہے کہ ہر صاحب فکر کو ان کی قدرتِ فن کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔بعض نعتوں میں تو عربی کے الفاظ اس طرح جگہ پا گئے ہیں کہ مستقل طور پر انہی کا حصّہ معلوم ہوتے ہیں۔ان نعتوں میں عربی الفاظ کی آمیزش نے کس طرح ان نعتوں کے حُسن کو دوبالا کیا ہے اس کی بہترین مثال ان کی یہ شہرہ آفاق نعت ہے ؎

لَم یَاتِ نَظِیرُکَ فِیْ نَظَرٍ مثلِ تو نہ شُد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا

اب چند مثالیں خصائص نبوی اور معجزات وکمالاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے پیش ہیں ؎

تیری مرضی پا گیا سورج پھرا الٹے قدم
تیری انگلی اٹھ گئی مہ کا کلیجہ چر گیا
تیری رحمت سے صفی اللہ کا بیڑا پار تھا
تیرے صدقے سے نجی اللہ کا بجرا تر گیا
تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا
تیری ہیبت تھی کہ ہر بُت تھرتھرا کر گر گیا
کیوں جنابِ بوہریرہ تھا وہ کیسا جامِ شِیر
جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منہ پھر گیا
ترے خُلق کو حق نے عظیم کہا تری خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا ترے خالقِ حُسن وادا کی قسم
مولا علی نے واری تری نیند پر نماز
اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے
صدیق بلکہ غار میں جان اس پہ دے چکے
اور حفظِ جاں تو جان فروضِ غرر کی ہے

ہاں تو نے ان کو جان انہیں پھیر دی نماز
پر وہ تو کر چکے تھے جو کرنی بشر کی ہے
کھائی قرآں نے خاکِ گزر کی قسم
اس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

امام احمد رضا کی حیثیت اس صدی کے نعت گو شعرا میں میرِ کارواں کی ہے۔ آپ کی نعتوں نے فقط آپ کے دور کو نہیں بلکہ آنے والے ادوار کو بھی متاثر کیا۔ فقہی اور شرعی امور میں آپ سے شدید اختلاف رکھنے والے حضرات بھی جب نعتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کرتے ہیں تو تمام تر تعصب کے باوجود انہیں بھی ایوانِ نعت کی سب سے سر بلند مسند پر حضرت رضا بریلوی کو ہی جگہ دینی پڑتی ہے۔ ایک مضمون کہ جہاں صفحات کی تنگ دامانی راہوارِ قلم کو آگے بڑھنے سے روک رہی ہو بھلا آپ کے تمام تر شعری اوصاف کا کس طور احاطہ کر سکتا ہے۔ آج فاضل بریلوی کی اثر آفریں نعت گوئی اپنی تاثر انگیزی کی گرفت کو اس قدر مضبوط کر چکی ہے کہ فقط برصغیر میں ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے مسلم ممالک میں آپ کی شخصیت اور کلام پر تحقیقی کام کا سلسلہ جاری ہے۔ اس ضمن میں شفیق بریلوی کی کتاب ارمغانِ نعت کے حوالے سے کراچی میں 1975ء میں منعقد ہونے والی تعارفی تقریب میں مولانا کوثر نیازی کی یہ رائے خاص اہمیت رکھتی ہے:

> "بریلی شریف میں ایک شخص پیدا ہوا جو نعت گوئی کا امام تھا اور احمد رضا خاں جس کا نام تھا۔ ان سے ممکن ہے بعض پہلوؤں میں لوگوں کو اختلاف ہو۔ عقیدوں میں اختلاف ہو لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عشقِ رسول ان کی نعتوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔"

مولانا احمد رضا خاں نے نعت گوئی میں قرآن حکیم سے بھرپور راہنمائی لی۔ اس ضمن میں ان کے فتاویٰ رضویہ بخوبی شاہد ہیں کہ وہ نعت گوئی کے تقاضوں کو کس درجہ سمجھتے تھے اور نعت گو شعرا سے کس درجہ احتیاط اور ادب کی توقع رکھتے تھے۔

شاعری میں ان کے پیشِ نظر مداحِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی مشعلِ راہ تھی۔ اپنے دور کے شعرا میں مولانا کفایت علی کافی کی نعت گوئی سے متاثر تھے۔ اکابر کے ہاں جس قدر ادب و احتیاط کا غلبہ تھا ویسا ہی منظر وہ ہر دور کے نعت گو شعراء کے ہاں دیکھنا چاہتے تھے۔

احتیاط اور ادب کا یہ عالم تھا کہ ایک صاحب نے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر اپنے اشعار سنانے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا میں اپنے چھوٹے بھائی حسن میاں یا حضرت کافی بدایونی کا کلام سنتا ہوں (اس لیے کہ ان کا کلام میزانِ شریعت پہ تُلا ہوتا ہے) اگر چہ حضرت کافی کے یہاں لفظ "رعنا" استعمال ہوا ہے لیکن اگر وہ اپنی غلطی پر آگاہ ہوجاتے تو یقیناً اس لفظ کو بدل دیتے۔ پھر خیال خاطر احباب کے پیشِ نظر ان صاحب کو کلام سنانے کی اجازت عطا کر دی ان کا ایک مصرعہ یوں تھا ع

شانِ یوسف جو گھٹی ہے تو اسی در سے گھٹی

آپ نے فوراً اس شاعر کو ٹوک دیا اور فرمایا "حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی نبی کی شان گھٹانے کے لیے نہیں بلکہ انبیائے کرام کی شان وشوکت کو سربلند سے سربلند کرنے کے لیے تشریف لائے تھے۔ مصرعہ یوں بدل دیا جائے ع

شان یوسف جو بڑھی ہے تو اسی در سے بڑھی

یہ احکامِ شریعت کو حد درجہ ملحوظ رکھنے ہی کا کمال تھا کہ مصرعہ کی تبدیلی سے مضمون انتہائی جاندار اور شریعت کے تقاضوں کے عین مطابق ہوگیا۔

رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کا دور مسلمانوں پر انتہائی مصیبت اور ابتلا کا دور تھا۔ حکومت تو ہاتھوں سے چھن چکی تھی بدقسمتی سے مسلمان احساسِ زیاں سے بھی محروم ہو چکے تھے۔ غیر مسلم قوتیں ان پر اپنے نظریات ٹھونس رہی تھیں اور دوسری طرف نیشنلسٹ مسلم زعما و علما جبّہ و دستار اور منبر و محراب کے وارث ہونے کے باوجود اسلامی نظریات کی شوکتِ دیرینہ کے تصور کو بھی پاش پاش کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ ایسے عالم میں امام احمد رضا خاں کا ذہن جاگ رہا تھا۔ ان کی نظریاتی سوچ اپنی بلندیوں کو چھو رہی تھی۔ انہوں نے مسلمانوں کے نظریاتی اعتقادات سے بغاوت کرنے والی ہر قوت کو للکارا اور انہیں پیغام دیا ؎

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والے جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے
آنکھ سے کاجل صاف چرالیں یہاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھڑی تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے

اور یہ نعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی فیضان ہی تھا کہ آپ کی آواز تاریخ کے سب سے بڑے حدی خوان کی صدائے دردناک بن کر برصغیر کے مسلمانوں کے دلوں میں گھر کر گئی۔ آپ کو دشنام طرازیوں اور طعنوں کے طوفان سے گزرنا پڑا مگر آپ کی نظم اور نثر نے حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیا۔ وہ محبت رسول میں کسی سمجھوتے کے قائل نہیں تھے اور اس سلسلہ میں انہیں اپنے قلم کی قوت اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید وکرم کا پورا پورا احساس تھا۔

ممتاز نقاد نیاز فتح پوری آپ کے علم وفضل اور شعری محاسن پر آپ کی بھرپور گرفت کے قائل تھے۔ انہوں نے فاضل بریلوی کو قریب سے دیکھا تھا اور ان کی شخصیت کا مشاہدہ کیا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ:

"اردو نعت کی تاریخ میں اگر کسی فردِ واحد نے شعرائے نعت پر سب سے زیادہ گہرے اثرات مرتسم کیے ہیں تو وہ بلاشبہ مولانا احمد رضا کی ذات ہے۔"

اسی حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے مزید کہتے ہیں:

"شجر علمی" زور بیان اور وابستگی وعقیدت کے عناصر ان کی نعت میں یوں گھل مل اور رچ بس گئے ہیں کہ اردو نعت میں ایسا خوشگوار امتزاج کہیں اور دیکھنے میں نہیں آیا ...... اردو نعت کی ترویج و اشاعت میں ان کا حصّہ سب سے زیادہ ہے۔ کسی ایک شاعر نے اردو نعت پر وہ اثرات نہیں ڈالے جو مولانا احمد رضا خاں کی ذات نے۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ اعلیٰ معیاری نعتیں تخلیق کیں بلکہ ان کے زیر اثر نعت کے ایک منفرد دبستان کی تشکیل ہوئی"۔ (حضرت فاضل بریلوی کے بارے میں نیاز فتح پوری کے تاثرات، محمد احمد قادری)

شاہ احمد رضا خاں نے مدحتِ سرکار کے جس دبستان کی بنیاد ڈالی تھی اس کی بدولت آج ایک زمانہ ان کا ہمنوا نظر آتا ہے اور ہر دور میں ان کے ہمنواؤں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ فاضل بریلوی کو اول وآخر مدحتِ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے سروکار تھا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر محمد اسحق قریشی کے یہ جملے خاص طور سے قابل ذکر ہیں:

"نعت کے مشتملات وشمائل کا ذکر ہر نعت گو کے ہاں مرغوب رہا ہے۔ اس لیے کہ ان کا شمار ہی عظمت کا احساس دلاتا ہے۔ فاضلِ بریلوی کے ہاں خصائص میں وجہِ تخلیق

ہونا، سراپا نور ہونا، قاسمِ عطایا ہونا، سب سے افضل ہونا، سرتا بقدم شانِ حق ہونا، جانِ ایمان ہونا، کائنات ہست و بود کی رونق و جلا ہونا اور مرکزِ عقیدت و محبت ہونا بہت نمایاں ہیں۔ یہ خصائص ان کے ایمان کا حصّہ ہیں اسی لیے ردیف اور قافیہ کے تنوّع کے باوجود تذکرہ انہیں کا ہوتا رہا۔" (نعت رنگ 1)

مدّعا یا طلب شفاعت شعرائے نعت کا خاص جز و رہا ہے، استغاثہ اور پھر توسّل انہیں اپنے ممدوح کی عظمت کے اظہار اور اپنی بے کسی و بے بسی کے اقرار کا قرینہ بخشتا ہے۔ اگر مدعا طلبی شاہانِ دنیا سے ہوتو یہاں بڑے سے بڑا قصیدہ بھی پست نظر آتا ہے لیکن اگر مدّعا طلبی محبوب دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتو پھر نعت گو کی ہر فکری کاوش ادبِ عالیہ کی بلندیوں کو چھوتی نظر آتی ہے۔ نعت میں بات فقط قوافی و اوزان کی نہیں بلکہ یہاں تو توسّل اور شفاعت طلبی کے لیے شاعر کی بلند خیالی بطور خاص مدنظر رکھی جاتی ہے۔ فاضل بریلوی کے ہاں یہ مضمون ہر بار نئے انداز اور نئے حسن سے جلوہ گر نظر آتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مرکز محور ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمت بے کراں کا حصول ہے۔ فاضل بریلوی کے ہاں علم شریعت قرآن و حدیث اور سچے جذبوں کا توازن ہے۔ وہ استغاثہ بھی پیش کرتے ہیں تو آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت نگاری کو بھی مدنظر رکھتے ہیں۔

جب ہم اُمّتِ اسلام پر بپا ہونے والے صدمات اور مصائب کا ذکر کرتے ہیں تو الطاف حسین حالی کی یہ مناجات ہر عہد کی ترجمانی کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے ؎

اے خاصۂ خاصانِ رُسُل وقتِ دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

یہ استغاثہ یا نوحہ اُمّتِ اسلام سقوطِ بغداد سے لے کر سقوطِ ڈھاکہ تک ہر عہد اور ہر زمانے میں زوال آمادہ مسلمانوں کے رنج و الم کا ترجمان ہے۔ حالی کے استغاثے نے اردو ادب میں باقاعدہ استغاثہ نگاری کی بنیاد رکھی اسی کیفیت کی ترجمانی کرتی ہوئی رضا بریلوی کی صدائے غمناک ابھری ؎

اَلْبَحْرُ عَلَا وَالْمَوْجُ طغٰے مَن بے کس و طوفاں ہوش ربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیّا پار لگا جانا

پُر شکستہ لمحات میں غم کے ماروں کی نگاہیں سوئے مدینہ ہی اُٹھتی ہیں۔ یہاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے آنسو بارگاہِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شرح و غم بیان کر دیے۔

نعت کہتے ہوئے فاضل بریلوی کہیں بھی یاس وقنوطیت کا شکار نہیں ہوتے۔ان کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عشق وارادت کا رشتہ اس قدر مضبوط،غیر متزلزل اور مستحکم ہے کہ وہ راہِ حیات سے لے کر میدانِ حشر تک کہیں بھی مایوس وناامیدی کو قریب نہیں آنے دیتے۔وہ جانتے ہیں کہ انھوں نے جس ذاتِ والا صفات کو اپنا رہبر وراہنما مانا ہے وہ محبوب دوعالم اور ممدوحِ خدا وملائکہ ہے۔یہ وہ ذات جس کے سر اقدس پر شفاعت کا نور آفریں تاج جگمگا رہا ہے۔جس کے ماتھے پر عفو ودرگزر اور لطف وکرم کا جمال اپنی بہار دکھارہا ہے۔اس سلسلہ میں ڈاکٹر سلام سندیلوی کی رائے ملاحظہ کیجیے:

"مگر جہاں تک امام احمد رضا خاں کی شاعری کا تعلق ہے وہ رسمی یا روایتی نہیں۔ آپ کو مذہب سے زبردست علاقہ تھا۔آپ کو بزرگانِ دین سے عقیدت تھی۔آپ حُبِّ رسول میں غرق تھے اس لیے آپ کی شاعری میں صداقت موجود ہے۔آپ کی شخصیت اور شاعری کے درمیان فاصلہ نہیں ہے۔بلکہ آپ کی شخصیت آپ کی شاعری ہے اور آپ کی شاعری آپ کی شخصیت۔شخصیت اور شاعری میں اس قدر ہم آہنگی اردو کے بہت کم شعرا کے یہاں ملے گی۔"(المیزان۔امام احمد رضا نمبر ص466)

اسی بات کو آگے بڑھانے میں سید شان الحق حقّی کی رائے کا مطالعہ کیجیے:

"میرے نزدیک مولانا کا نعتیہ کلام ادبی تنقید سے مبرا ہے۔اس پر کسی ادبی تنقید کی ضرورت نہیں ہے۔اس کی مقبولیت اور دلپذیری ہی اس کا سب سے بڑا ادبی کمال اور مولانا کے مرتبے پر دال ہے۔"(خیابانِ رضا۔ص66)

ان دونوں آراء کو دیکھیے تو ہماری متذکرہ بالا رائے کو تقویت ملتی ہے کہ رضا بریلوی کی روحانی اور فقہی شخصیت اور آپ کی شاعری ایک دوسرے میں گُم ہوگئی تھیں۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمتِ بے کراں پر آپ کا بھروسہ فقط آپ کی شاعری کا خاصہ ہی نہیں تھا بلکہ آپ اپنی شخصیت اور نظریات کے لحاظ سے اس پر کامل ایمان بھی رکھتے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ عنایت اور عنایاتِ بے کراں پر آپ کا کس قدر بھروسہ تھا اس کو آپ نے مکالماتی اسلوب میں بیان کیا ہے۔کمال کی روانی ہے۔غضب کا لسانی خرام ہے کہ پڑھنے والا آپ کی فکر کی بلند پروازی کے ساتھ ساتھ محوِ پرواز نظر آتا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں کی شاعری کو وہ کمال حاصل ہوا کہ آج تک اس کی مقبولیت و

دلپذیری میں کمی واقع نہیں ہوسکی بلکہ تمام اصحابِ تنقید و تاریخ کے مطابق ہر آنے والا دور آپ کی نعتیہ شاعری کی مقبولیت و ہر دل عزیزی میں اضافہ کر رہا ہے۔ صرف آپ کی نعت گوئی پر ہی ڈاکٹریٹ اور ایم فل کی ڈگریوں کے علاوہ یونیورسٹیوں کے مقالہ جات کا شمار کرنے بیٹھیں تو عقل محوِ حیرت ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید نے آپ کی نعتیہ شاعری کا احاطہ کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے:

> "کسی ایک نعت گو نے اردو نعت پر وہ اثرات نہیں ڈالے جو مولانا احمد رضا خاں کی نعت گوئی نے۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ اعلیٰ معیاری نعتیں تخلیق کی ہیں بلکہ ان کے زیرِ اثر ایک منفرد دبستان کی تشکیل ہوئی۔
>
> ان کی نعت گوئی کی مقبولیت اور شہرت نے دوسرے شاعروں کو نعت گوئی کی ترغیب دی۔ سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آج بھی ان کا کلام ایک موثر تحریکِ نعت کا درجہ رکھتا ہے۔"

جوں جوں ہم رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری کی گہرائیوں میں اترتے ہیں ان کا وجود ایک رجحان ساز شاعر کی حیثیت سے سامنے آتا ہے۔ انہوں نے برصغیر پاک و ہند کی ملّتِ اسلامیہ کے باطنی جذبات کو اپنی قلبی واردات سے ہم آہنگ اور مربوط کر کے صنفِ نعت کو نئے تخلیقی امکانات سے روشناس کرایا۔ قلبی تطہیر، ذہنی عبارت، ایمان افروزی کی بدولت ان کی نعتیں دنیائے شعر و سخن کے نعتیہ ادب کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔ بہت سے تذکرہ نگاروں نے انہیں اپنی ذات میں ایک پوری کائنات اور نعت کا ایک مکمل دبستان تسلیم کیا ہے۔ بلاشبہ "حدائقِ بخشش" فن کا معجزہ اور سرچشمۂ فیض ہے۔

حدائقِ بخشش میں حضرت رضا بریلوی نے بعض مشہور اساتذۂ فن کی زمینوں میں بھی طبع آزمائیاں کی ہیں۔ اس سے ان کا مقصد تفاخرِ فن کا اظہار نہیں تھا بلکہ وہ توصیفِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ہر رنگ اور ہر پیرایا اختیار کرنا چاہتے تھے۔ اسد اللہ خاں غالب نے "کیوں" کی ردیف میں ایک غزل کہی۔ جبکہ امام احمد رضا نے اس ردیف میں دو نعتیں کہی ہیں۔ کالی داس گپتا رضا نے غالب اور رضا بریلوی کے ایک ایک شعر کے حوالے سے موازنہ پیش کیا ہے:

غالب:

ہاں نہیں وہ خدا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

رضا:

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی میں جائے کیوں

کالی داس گپتا رضا لکھتے ہیں:

''مولانا نے "میں" کو "سے" سے بدل کر نعت کہنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ نعت اور غزل کو یک جان کرنا اسی کو کہتے ہیں۔'' (سہو و سراغ۔ المیزان کا امام احمد رضا نمبر)

ان کا موازنہ ایک اور شعر میں دیکھیے۔

غالب:

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں؟

رضا:

یادِ حضور کی قسم، غفلتِ عیش ہے ستم
خوب ہیں قیدِ غم میں ہم کوئی ہمیں چھڑائے کیوں؟

دونوں کے ہاں اسلوب کا بانکپن خوب ہے۔ لیکن غالب کے یہاں قنوطیت ہے اور رضا کے ہاں رجائیت۔ دوسری نعت کے دو تین اشعار میں اسلوب کا بانکپن دیکھیے ؎

یادِ حرم ستم کیا دشتِ حرم سے لائی کیوں؟
بیٹھے بٹھائے بدنصیب سر پہ بلا بٹھائی کیوں؟
کس کی نگاہ کی حیا پھرتی ہے میری آنکھ میں
نرگسِ مست ناز نے جس سے نظر چرائی کیوں؟

اسی طرح غالب کی ایک غزل "کہ یوں" کی ردیف میں ہے۔ یہ نہایت مشکل ردیف ہے جس سے غالب جیسا بلند فکر ہی عہدہ برآ ہو سکتا تھا مگر یہاں بھی امام احمد رضا کا قلم اپنے فنِ نعت گوئی کی جولانیاں دکھاتا نظر آتا ہے ؎

قصرِ دنیٰ کے راز میں عقلیں تو گم ہیں جیسی ہیں
روحِ قدس سے پوچھیے تم نے بھی کچھ سنا کہ یوں

دل کو دے نور و داغِ عشق پھر میں فدا دو نیم کر
مانا ہے سن کے شقِ ماہ آنکھ سے اب دکھا کہ یوں
دل کو ہے فکر کس طرح مردے جلاتے ہیں حضور
اے میں فدا لگا کر ایک ٹھوکر اسے بتا کہ یوں

اسی طرح آپ کی بعض نعتیں امیر مینائی، داغ دہلوی کی زمین اور ردیفوں میں بھی ملتی ہیں جن میں آپ نے اسلاف کے بانکپن سے اشعار کے ایسے گل وسمن کھلائے ہیں جن سے ان کی معنی آفرینی، انداز بیان، سربلند تخیل اور لطافتِ خیال کا اظہار ہوتا ہے۔ ورنہ جہاں تک تقابل کا تعلق ہے تو نہ تو وہ امام احمد رضا کے پیش نظر تھا اور نہ ہی ہمارا موضوع ہے۔

سراپا نگاری ہر دور کے شعرا کے پیش نظر رہی ہے۔ عربی، فارسی، اردو اور پنجابی سمیت تمام زبانوں کے شعرا نے اپنے اپنے اندازِ فکر کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سراپاے اقدس کے بارے میں رقم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اردو میں محسن کاکوروی کی شاعری اس کی روشن مثال ہے۔ لیکن اس ضمن میں جو کمال امام احمد رضا کے حصّے میں آیا وہ کسی اور کا مقدر نہیں بن سکا۔ متفرق نعتیہ اشعار اپنی جگہ، ان کی نعتوں میں تو بعض مقامات پر سراپا نگاری کے حوالے سے مسلسل اشعار جگمگاتے نظر آتے ہیں۔ قصیدہ سلامیہ میں تو سراپا نگاری کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ اس ضمن میں چند ایسے اشعار پیش کیے جاتے ہیں جن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سراپاے مبارک کی نورانی جھلکیاں دلوں کے ایوانوں کو جگمگاتی محسوس ہوتی ہیں۔ محبوبانِ مجازی کا سراپا لکھتے ہوئے مبالغہ آرائی اپنی بلندیوں کو چھونے لگتی ہے مگر نعت میں تو مبالغہ آرائی بھی پابندِ شریعت ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور پھر امام احمد رضا کا قلم جو شریعت کی حدود سے لحہ بھر بھٹکنے کو بھی تیار نہیں ہے۔

ہم تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے فقط یہ عرض کرنا چاہیں گے "حدائق بخشش" کے دوسرے درجنوں اشعار کے ساتھ ساتھ آپ کے قصیدۂ سلامیہ کے پہلے حصّے کا بغور مطالعہ کیا جائے۔ قصیدۂ سلامیہ کے اشعار میں آپ کے سرِ اقدس کے گیسوؤں سے لے کر آپ کے پاے اقدس کے ناخنوں تک کو شعری حسن عطا کیا گیا ہے ؎

لَیْلَۃُ الْقَدْر میں مَطْلَعِ الْفَجْر حق
مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام

جس کے سجدے کو محرابِ کعبہ جھکی
ان بھوؤں کی لطافت پہ لاکھوں سلام
جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آ گیا
اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

غرضیکہ اس حوالے سے بھی امام احمد رضا کی شاعری کا مطالعہ کریں تو یہاں بھی ایک حیرت کدہ نظر آتا ہے کہ آپ کے قلم نے جدھر بھی رُخ کیا اپنی قادر الکلامی اور شعری سرفرازی کے سکّے بٹھا دیے۔ آپ نے سراپا نگاری میں اگرتشبیہات وتراکیب اور دوسرے صنائع بدائع کا استعمال کیا ہے مگر دامانِ شریعت کو کہیں بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا۔ یہاں بھی آپ کی انفرادی احتیاط پسندی شعریت اور شریعت کے امتزاج کا خراج لیتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے قصائد بھی رقم کیے مگر شاہانِ عجم کے نہیں۔ قصیدہ ایک مشکل صنفِ سخن جو بہت سے لوازمات کا تقاضا کرتا ہے مگر احمد رضا تو بہت پہلے ہی یہ اعلان کر چکے ہیں ؎

کروں مدحِ اہلِ دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

آپ کی فضیلت آبی اور علمی مقام ومرتبہ کو دیکھتے ہوئے کئی ریاستوں کے امرا اور سلاطین نے آپ سے اپنے ہاں آنے کی درخواست کے ساتھ ساتھ ہی یہ استدعا بھی کی کہ وہ آپ کے علمی اشغال کے تسلسل کے لیے مستقل اعزازی وظائف بھی مقرر کریں گے۔ مگر جو محبِّ مصطفی بازارِ حسنِ حضور علیہ التحیۃ والثنا میں بِک چکا ہو وہ کسی اور خریدار کی طرف کیا دیکھے۔ آپ نے بصد خلوص انکار فرما دیا۔ یہ کہتے ہوئے کہ میرے ربِّ کریم نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اتنا کچھ عطا کر رکھا ہے کہ اب کسی اور جانب نظر ہی نہیں اٹھتی۔ شاہان عجم اور سلاطین ہند کی پیش کشوں کو آپ نے پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔ اور پھر جب سلطان دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قصیدہ نگاری کی جانب متوجہ ہوئے تو انوار کی برسات ہونے لگی۔ کس کس قصیدہ کا ذکر کیجیے ہر جگہ ہی عقیدت اور محبت و وارفتگی کا حُسن پھیلا ہوا ہے۔ چند قصائد کے مطلعے پیش نظر ہیں:

قصیدۂ نوریہ:

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

قصیدۂ سلامیہ:

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

قصیدۂ معراجیہ:

وہ سرورِ کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے

قصیدۂ درود:

کعبہ کے بدر الدّجیٰ تم پہ کروڑوں درود
طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروڑوں درود

ان طویل قصائد کے علاوہ آپ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت فاروق اعظم، حضرت علی المرتضیٰ، سیدۃ خاتون جنت اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں بھی مختصر قصائد کہے ہیں۔ ان قصائد کے علاوہ آپ نے ایک قصیدہ در ''اصلاحاتِ ہیئت'' بھی کہا ہے۔ یہ بھی نعتیہ قصیدہ ہے جس میں تمام تر علم ہیئت اور علمِ نجوم کی اصطلاحات ہیں۔ پورا قصیدہ 100 اشعار پر مشتمل ہے۔ اس قصیدہ کی بدولت جہاں آپ صنفِ قصیدہ پر غیر معمولی دسترس رکھتے دکھائی دیتے ہیں وہاں علم ہیئت اور علمِ نجوم آپ کے افکار کی کاسہ گدائی کرتے نظر آتے ہیں۔ سچ ہے کہ ع

یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

آپ کی علمی و فقہی اور شعری سر بلندیوں کے حوالے سے فکرِ رضا کے عظیم نقاد اختر الحامدی کی رائے ملاحظہ ہو:

''آپ کا مجموعہ نعت حدائق بخشش نہ صرف عشقِ حبیب کی شعری تصویر ہے بلکہ نعت حبیب کا وہ مشرق ہے جس سے آفتاب عرب کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں جو آنکھوں کے راستے دل میں اتر کر کائناتِ حیات کو منوّر کر دیتی ہیں۔ سوز و درد اور

جذب واثر نے الفاظ کو گویا زبان دے دی ہے اور وہ کوے حبیب کی حدیث عشق سنا رہے ہیں۔ یہ خصوصیت، یہ اندازِ بیان، یہ سلیقہ نعت آپ کے علاوہ اور کسی کے ہاں نظر نہیں آتا۔ آپ نے الفاظ میں عشقِ حبیب کا وہ طلسم پھونک دیا ہے کہ مفاہیم کی پرت پرت کھولتے چلے جایئے مگر شاعر کے جذبے کی گہرائی ہاتھ نہیں آنے پاتی۔"(معارف رضا۔سالنامہ 1986ص 167)

جس سلیقہ نعت کا اختر الحامدی نے تذکرہ کیا ہے اسے اسلوب کی انفرادیت اور بیان کی یکتائی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اس کی مدد سے شاعر اپنے حُسنِ تخیل اور حقائق کے امتزاج سے زبان و بیان کا حُسن بکھیر کر اس انداز میں بات کہ جاتا ہے کہ پڑھنے والے حیرت میں گُم ہو جاتے ہیں۔ایک حقیقت کو شاعری کا ملبوس عطا کر دینا یا ایک مسلّمہ بات کو اسلوب کی ندرت کی بدولت ایسے بیان کرنا کہ کسی اور کو سوجھی ہی نہ ہو۔طرزِ ادا کی یہی رنگینی اور طُرفگی ہی رضا بریلوی کے کلام کو دوام بخش رہی ہے۔

امام احمد رضا کی اسی قادر الکلامی اور زبان و بیان کی ندرت لحاظ سے معروف محقق شمس بریلوی کی اس رائے کو پیش نظر رکھیے:

"جناب رضا قدس سرہ خاصانِ بارگاہِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت ممتاز تھے۔آپ کے یہاں منزل عشق کے تمام مدارج موجود ہیں۔آپ نے اس راہ کو بڑی احتیاط سے طے فرمایا ہے۔آپ نے فراق کا بیان بھی ملاحظہ فرمایا اور فراق کی ستم رانیوں کا ذکر بھی سنا۔دیارِ محبوب کا اشتیاق بھی ہے اور درِ محبوب پر عرض بھی فرما رہے ہیں۔لیکن تقدیس و تکریم کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹتا۔اور یہی وہ خصوصیت ہے جو جنابِ رضا کو تمام نعت گو شعرا میں اسی طرح ممتاز کرتی ہے جس طرح علمِ شریعت و طریقت میں آپ کا مقام دیگر علماے کرام سے بہت ارفع و اعلیٰ تھا۔"(علامہ شمس بریلوی۔حدائق بخشش کا ادبی جائزہ ص 225)

گویا تمام محققین اور صاحبان اسرار تحقیق اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت احمد رضا خاں کے مضامین میں غیر معمولی تنوع پایا جاتا ہے۔انہوں نے نعت کے میدان کو چُنا اور اس میں ہر قسم کے مضامین بیان کر کے ثابت کر دیا کہ نعت ہر قسم کے تخیلات کو شعری جامہ پہنانے کی قوت رکھتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ صنفِ نعت کے تقدس اور پاکیزگی کو کسی لمحہ نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیا جائے اور

ممدوحِ نعت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاماتِ عالیہ کے انوار سے دل و جان کو ہر آن بسا کر رکھا جائے۔ امام احمد رضا خاں کی شعری بلندیوں کا کیا کہنا آپ نے تو پامال سے پامال مضامین کو بھی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے تر و تازہ اور حاصلِ ادب بنا دیا ہے۔

خدا بھی کریم ہے اس نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمہ تن کرم بنایا ہے۔ خدا تو خالقِ کائنات ہے۔ محمد رسول اللہ صلی للہ علیہ وسلم محبوبِ شش جہات۔ رب دو عالم نے اپنے محبوب کو عظمتوں کی وہ بلندیاں عطا کیں کہ انسانی عقل ان کا احاطہ نہیں کرسکتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام تر نورانی اور بشری سرفرازیاں حاصل کر کے بھی کمال عجز سے خود کو خدا کے سامنے شکر گزار بندہ تصور کرتے ہیں۔ نعت میں افراط وتفریط کی گنجائش نہیں بڑے بڑے صاحبانِ فکر فرطِ عشق میں جادۂ حق سے بھٹک گئے اور حمد و نعت میں قدرے شوخ بیانی کا مظاہرہ کر گئے مگر یہاں تھے امتِ اسلام کے سب سے بڑے فقیہ اور شریعت پر حد درجہ دسترس رکھنے والے احمد رضا خاں جو اپنے اشعار اور نثر میں زمانے بھر کو حمد و نعت کا امتیاز سکھا رہے ہیں۔ آیئے ہم اس ایمان آفریں، ماحول کا ایک جلوہ دیکھنے کے لیے ان کے تین چار اشعار پیش کرتے ہیں ؎

سرور کہوں کہ مالک مولا کہوں تجھے
باغِ خلیل کا گُل زیبا کہوں تجھے
اللہ رے تیرے جسمِ منور کی تابشیں
اے جانِ جاں میں جانِ تجلّا کہوں تجھے
تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہے بری
حیراں ہوں میرے شاہا میں کیا کیا کہوں تجھے

قرآنِ حکیم سے آگے بڑھے تو شریعتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم نے دامانِ نور کشادہ کر دیا۔ قرآنِ حکیم اور قرآنِ ناطق علیہ الصلوٰۃ والسّلام جُدا جُدا تو نہیں ہیں۔ ایک قرآن تیس پاروں کی صورت میں انوارِ کرم لٹا رہا ہے جبکہ قرآن ناطق حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی قرآنِ مجید کی عملی شرح روشن ہیں۔ فاضل بریلوی نے قرآنِ حکیم اور صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیماتِ قدسیہ سے بھر پور روشنی اور راہنمائی لی اور تمام زندگی اس پر نازاں رہے کہ انہیں نعت نگاری کی بدولت ہی قرآن اور تعلیماتِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عوام الناس تک پہنچانے کی سعادت عطا ہوتی ہے۔

آج تمام نعت گو حضرت فاضل بریلوی کو امام سخن و بیاں قرار دیتے ہیں۔آپ کی نعتیہ شاعری کا سورج جب ایک بار چمکا تو پھر اس کی روشنی کبھی بھی ماند نہ پڑسکی بلکہ ہر آنے والے دور کا شاعر جب مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ذہن وفکر کو آمادہ کرتا ہے تو امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے کلام بلاغت نظام سے راہنمائی ضرور حاصل کرتا ہے۔جب ایشیا کی مساجد سے لے کر یورپ کے اسلامی مراکز تک ہر جگہ "مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" کی صدائیں ابھرتی ہیں تو جہاں اصحابِ نظر کی پلکیں عشق وعقیدت کے آنسوؤں سے نم ہوجاتی ہیں وہاں تصورات کے نہاں خانوں میں نعت گو امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ کا جو روشن سراپا ابھرتا ہے وہ اس قدر سر بلند اور سرفراز ہے کہ ان کے معاصرین اور عصرِ حاضر کے نعت گو شعرا کا وجود اپنی تمام تر بلند قامتی کے باوجود اس کے سامنے سر عقیدت خم کرتا نظر آتا ہے۔آپ نے زندگی بھر عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصلِ ایمان سمجھے رکھا۔اور خدا گواہ ہے کہ اس سے بڑی حقیقت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ہم اسی موضوع سے متعلق آپ کے اسی جاوداں جاوداں شعر پر اس تحریر کا اختتام کررہے ہیں ؎

انہیں جانا، انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
لِلّٰہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

☆☆☆

''حدائقِ بخشش'' کی ایک مناجات

☆سلیم شہزاد، مالیگاؤں

حسان الہند اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری بریلوی کے شعری مجموعے موسوم بہ ''حدائقِ بخشش'' کا نمایاں وصف یہ ہے کہ اس میں حمد، نعت، منقبت، مناجات اور سلام وغیرہ اصناف کے علاوہ غزلوں اور رباعیوں میں بھی تقدیسی شاعری کے رنگ خاصے نمایاں ہیں۔ اس شاعری کے ہیئتی جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں غزل کی ہیئت کو فوقیت حاصل ہے اور اس ہیئت میں شاعر نے بڑی فن کارانہ آزادیوں اور دو مصرعوں اور ردیف قافیے پر مشتمل ایک خاصی محدود ہیئت میں معنوی گہرائی اور گیرائی کے بروے کار لا کر اسے بیکراں وسعتوں سے ہم کنار کر دیا ہے۔ ''حدائق'' کی تخلیقات میں شاعر کا مخصوص فکر و فلسفہ، اس کی عقیدت و ارادت اور شاعرانہ خلوص وغیرہ جن بے شمار پہلوؤں سے اپنا اظہار کرتے ہیں، ان کی وجہ سے حمد و نعت وغیرہ اصناف کی یہ غزلیہ ہیئت دیگر صنفی خواص سے بھی متصف ہوگئی ہے۔ مثلاً اس میں مسلسل غزل، قصیدے، مثنوی اور نظم کا فکری ربط اور موضوعی ارتکاز نمایاں طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ''حدائق'' کے مطالعے سے یہ ایک وصف بھی اجاگر ہوتا ہے کہ رضاؔ کی شاعری میں رسولِ اکرم ﷺ کا کردار نعت گوئی کا روایتی کردار نہیں بل کہ یہاں تقدیسِ بیانی اور شعریت کے امتزاج کے ساتھ ساتھ شاعری کی ہر تخلیق میں سببِ واقعہ اور معلول کی علّتِ غائی کے طور پر آں حضرت ﷺ کا نامِ نامی شاعر کی زبان پر آ جاتا ہے۔ ''حدائق'' کے مطالعے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ شاعر کے تخلیقی تحت الشعور میں پنہاں رسولِ اکرم ﷺ کا اسمِ مبارک شعری اظہار کے وقت قرطاس و قلم کے ربط کی شرط پوری ہوتے ہی اس کے شعور کی سطح پر آ کر تخیل اور وجدان سے وصل کرتا اور گہرِ آب دار کی طرح شعر میں چمکنے لگتا ہے۔ اس تخلیقی صورت کی مثالیں دی جائیں تو یہ مضمون در کنار رہ جائے۔ ''حدائق'' سے ماخوذ صرف شعری لفظیات ملاحظہ ہو کہ اس کتاب کے صفحات پر عشقِ رسول ﷺ کے اظہار کے اور آپ ﷺ سے تخاطب کے کون کون سے لسانی تعملات شعری ترکیبوں میں اپنی بہار دکھا رہے ہیں:

شہِ بطحا/ شہِ تسنیم/ رافع و نافع و شافع/ مظہرِ کامل/ ماہِ طیبہ/ شہِ کوثر/ بدرالوجہ الاجمل/ نیرِ جاں/ جانِ عجم، شانِ عرب/ شافع امم/ سید والا/ گل مدینہ/ ساقیِ تسنیم/ شہِ گردوں جناب/ شہ سوارِ طیبہ/ باغِ عرب کا سروِ ناز/ مدینے کی آرزو/ عالمِ امکاں کے شاہ/ خورشیدِ رسالت/ بادشاہِ کون و مکاں/ شمعِ طیبہ/ شہِ جود و عطا/ سیدِ بے سایا/ غم خوارِ امم/ ملیحِ دل آرا/ رحمت کا دریا/ چاند بدلی کا/ خضرِ ہاشمی/ شمعِ رروزِ جزا وغیرہ وغیرہ۔

اس کتاب کے تمام حدیقوں سے گذر جایئے، شاعر اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اصحاب و اولیا، کو جگہ جگہ مخاطب کرتا سنائی دیتا ہے البتہ کتاب کے حصۂ اول میں ایک چیز ایسی ہے کہ جس میں شاعر کا تخاطب (ایک شعر سے قطعِ نظر) ضمیرِ مخاطب ''تو'' کے توسط سے، آغاز میں تو معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کے قاری سے ہے لیکن مقطع کہتا ہے کہ ان اشعار میں شاعر اپنے آپ سے خطاب کر رہا ہے۔ پندرہ اشعار پر مشتمل اس تخلیق کی بحر منفرد اور شاعر کے جذبات کو پوری طرح ظاہر کرنے والی ہے یعنی بحر متقارب مثمن اثرم مضاعف (فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فع) پہلا شعر جو مطلع ہے۔

سؤنا جنگل ، رات اندھیری ، چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو ، جاگتے رہیو ، چوروں کی رکھوالی ہے

یہاں پہلے مصرعے سے جو ڈراونا منظر سامنے آ رہا ہے، اس کی لفظی تصویر (جسے آج کل کی تنقیدی اصطلاح میں شعری پیکر کہتے ہیں) صرف تین فقروں میں ماحول کی عکاسی کیے دے رہی ہے۔ شاعر یہاں ''سونے والوں'' یعنی ظاہر ہے کہ معاشرے کے افراد سے مخاطب ہے کہ یہ وقت تو سونے کا ضرور ہے مگر تم نے چوروں کو اپنے رکھوالی پر مقرر کر دیا ہے۔ کیا ایسے میں تمہارا نیند کے مزے لینا مناسب ہے؟ جب کہ پہرے پر لگائے گئے یہ چور بھی ایسے ہیں کہ۔

آنکھ سے کاجل صاف چرالیں ، یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھری تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے

سیدھا سادہ شعر ہے مگر شاعر کے گہرے تجربے کا غماز اور ''تجھے'' یعنی معاشرے کے عام فرد کو خبردار کرنے والا کہ آنکھیں کھول اور ان چالاک چوروں سے اپنی گٹھری ہو سکے تو بچالے (اس شعر میں ''نیند نکالی ہے'' کا فقرہ ممکن ہے کہ علاقائی روزمرہ ہو۔ یہ اردو کا روایتی محاورہ نہیں)

اگلے شعر ؎

یہ جو تجھ کو بلاتا ہے ، یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا
ہائے مسافر ، دم میں نہ آنا ، مت کیسی متوالی ہے

میں ''تجھ'' کا تخاطب ''مسافر'' سے ہے جو ظاہر ہے کہ ہر زمانے کا (بل کہ خاص طور سے ''آج'' کا) عام آدمی ہے جسے بلانے والے کو شاعر ٹھگ کہہ رہا ہے۔اس لفظ کے معنی ہمارے زمانے کے سیاسی ماحول سے پوری طرح ربط رکھتے ہیں کہ بھولی عوام کو سیاست داں جس چالاکی سے ٹھگ رہے ہیں،شاعر اس کا بالاعلان تذکرہ کررہا ہے مگر اسے افسوس ہے کہ ''مسافر'' کی مت ماری گئی ہے جو ایسے ٹھگوں کے دم میں آسانی سے آجاتا ہے۔شاعر واضح طور پر کہتا ہے ؎

سونا پاس ہے،سُونا بن ہے،سونا زہر ہے،اٹھ پیارے
تو کہتا ہے : نیند ہے میٹھی ، تیری مت ہی نرالی ہے

مسافر کے پاس سونا ہے (جس کی حفاظت ضروری ہے) کیوں کہ سُونے سنسان بن میں وہ لُٹ سکتا ہے اس لیے سونا یعنی نینداس کے لیے زہر ہے۔پس شاعر اسے ''پیارے'' کہہ کر جگا رہا ہے مگر یہ پیارا مسافر تو خوابِ خرگوش کے مزے لے رہا ہے،وہ اپنی میٹھی نیند سے جاگنا نہیں چاہتا۔اس کی اِس بے حسی پر شاعر کڑھ رہا ہے کہ نرالی مت ہے تیری۔

اس شعر میں ایک لفظ کے مختلف تلفظ اور مختلف معنوں سے شاعر نے بڑی فن کاری سے کام لیا ہے۔پہلا ''سونا'' ایک قیمتی دھات ہے۔دوسرے لفظ (بمعنی سنسان) کے تلفظ میں واو معروف لاکر شاعر نے تجنیسِ محرف سے شعر کو سجادیا ہے۔پھر تیسری بار ''سونا'' بمعنی نیند بھی تجنیسِ تام نظم کی ہے جو پہلے لفظ ''سونا'' سے تلفظ میں یکساں ہے ؎

آنکھیں ملنا ، جھنجھلا پڑنا ، لاکھ جماہی انگڑائی
نام پر اٹھنے کے لڑتا ہے ، اٹھنا بھی کچھ گالی ہے

اس شعر میں بھی سوئے ہوئے مسافر سے شاعر مخاطب ہے مگر اس کا لہجہ بتا رہا ہے کہ اب وہ مسافر کے سوئے رہنے پر کڑھ رہا ہے بل کہ اس کی بے حسی اور بے خبری پر اپنے آپ سے لڑ رہا ہے۔پہلے وہ مسافر کے نیند میں کسمسانے کا ذکر کرتا پھر اس پر بگڑتا ہے کہ تو نیند سے جگانے کو گالی سمجھتا ہے۔پہلے

مصرع میں مسافر کی حالت کا پیکری بیان بڑا مصورانہ ہے۔

بعد کے چار شعر جنگل کی اندھیری رات میں طوفانِ بادوباراں کا منظر بڑے حقیقی رنگوں میں سامنے لا رہے ہیں۔ اس منظر میں شاعر اپنے آپ سے مخاطب ہے کیوں کہ سوئے ہوئے مسافر کو چھوڑ کر وہ اپنے سفر میں تنہا آگے بڑھ چکا ہے۔

جگنو چمکے ، پتّا کھڑکے ، مجھ تنہا کا دل دھڑکے
ڈر سمجھائے : کوئی پون ہے یا اگیا بیتالی ہے
بادل گرجے ، بجلی تڑپے ، دھک سے کلیجا ہوجائے
بن میں گھٹا کی بھیانک صورت کیسی کالی کالی ہے
پاؤں اٹھا اور ٹھوکر کھائی ، کچھ سنبھلا پھر اوندھے منہ
مینہ نے پھسلن کردی ہے اور دُھر تک کھائی نالی ہے
"ساتھی ساتھی" کہہ کے پکاروں، ساتھی ہو تو جواب آئے
پھر جھنجھلا کر سر دے پٹکوں ، چل رے ، مولا والی ہے

ان شعروں میں شاعرانہ فن کاریوں کے چند نمونے ملاحظہ کیجیے:

(۱) کھڑکے/ دھڑکے، قافیوں کی تکرار خوف کے ماحول کو اجاگر کر رہی ہے۔

(۲) اگیا بیتالی یا اگیا بیتال، گھور اندھیرے جنگل میں ملنے والے بھوت کی طرف اشارہ ہے۔ اگرچہ شاعر یعنی امام احمد رضا ایسی وہمی باتوں کو نہیں مانتے مگر شعری اظہار کا تقاضا ہے کہ تاریک جنگل کی طوفانی رات میں شدید خوف کی صورت کو اسی بھوت کے نام سے اجاگر کیا جائے۔ (اگیا بیتال: ہندوستانی عقیدے کے مطابق ایک آگ ہے جو جنگل کے اندھیرے میں کبھی نظر آتی، کبھی غائب ہوجاتی ہے۔ بھٹکا ہوا کوئی مسافر اسے حقیقی روشنی سمجھ کر اس کے پیچھے جاتا اور اس کا شکار ہوجاتا ہے)

(۳) گھٹا کی بھیانک کالی کالی صورت کا پیکر ہندی جمالیات کے مطابق خوف کا تصور پیدا کرنے اور دیکھنے سننے اور پڑھنے والے کو اسی خوف سے متاثر کرنے کی کوشش ہے۔

(۴) "پاؤں اٹھا اور ٹھوکر کھائی" والے شعر میں جو لسانی تعمل ملتا ہے وہ مخصوص صورتِ حال میں

زبان کے عاجلانہ استعمال کی مثال ہے۔ یہاں ''اوندھے منہ'' کہہ کر جملہ بھی پورا نہیں کیا گیا ہے اور مان لیا گیا ہے کہ پڑھنے والا اس سے مسافر کے گر جانے کا تصور کر لے گا۔ اس شعر میں سنسکرت لفظ ''دُھر'' (بمعنی قطب، زمین کا انتہائی سرا، لامحدود دوری) مبالغے کے لیے لایا گیا ہے۔

(۵) چوتھا شعر شاعر/ مسافر/ راوی، کی مجبوری کی منہ بولتی تصویر ہے۔

تنہائی اور مایوسی کے اندھیرے میں ۔

پھر پھر کر ہر جانب دیکھوں ، کوئی آس نہ پاس کہیں

ہاں، اک ٹوٹی آس نے ہارے جی سے رفاقت پالی ہے

شاعر یعنی مَیں ایک ٹوٹی ہوئی آس کی رفاقت میں اپنا راستہ طے کر رہا ہوں۔ اس شعر میں فن کاری یہ ہے کہ پہلے مصرع میں فقرے ''آس پاس'' کو دولخت کر کے شاعر نے ''آس پاس'' کے بے معنی ٹکڑے ''آس'' کو بامعنی کر دیا ہے۔ کہنا یہی ہے کہ کوئی آس پاس نہیں لیکن ''آس نہ پاس'' کہہ کر اس میں ''امید'' کے معنی جوڑ دیے ہیں اور بات کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہے۔ اس پر بھی بس نہ کرتے ہوئے دوسرے مصرع کے لفظ ''آس'' کو اپنے معنوں میں برت کر پہلے مصرع کے بے معنی لفظ ''آس'' کے ساتھ ایسی تجنیسِ تام کی صورت خلق کر دی ہے جس کی دوسری مثال اردو شاعری میں مشکل ہی سے ملے گی۔ مستزاد یہ کہ ان ہم تلفظ لفظوں سے تضاد کی صنعت بھی پیدا ہو گئی ہے۔

اگلا شعر ۔

تم تو چاند عرب کے ہو پیارے ، تم تو عجم کے سورج ہو

دیکھو ، مجھ بے کس پر شب نے کیسی آفت ڈالی ہے

پچھلے تمام شعروں سے معنوی اور موضوعی طور پر غیر متعلق ہے۔ اس کی یہاں ضرورت نہ تھی مگر جیسا کہ کہا گیا ہے، شاعر کے تخلیقی تحت الشعور میں رسولِ اکرم ﷺ کا تصور چوں کہ آرکی ٹائپ (نقشِ اولیں) کی طرح مجر ہے، یہاں وہ شعوری سطح پر آ کر کاغذ پر رقم ہو گیا ہے جب کہ فنی اور تکنیکی تقاضوں کے پیشِ نظر رسولِ اکرم ﷺ سے تخاطب کا اس نظم میں کہیں محل نہیں۔ اس شعر کے بعد اس کا ثبوت ملتا ہے کہ شاعر اپنے اظہار میں اب دنیا کو لتاڑنے لگا ہے۔ کہتے ہیں ۔

دنیا کو تو کیا جانے ، یہ بِس کی گانٹھ ہے حرافہ
صورت دیکھو ظالم کی تو کیسی بھولی بھالی ہے
شہد دکھائے ، زہر پلائے ، قاتل ، ڈائن ، شوہر کُش
اس مردار پہ کیا للچانا ، دنیا دیکھی بھالی ہے

ابتدا میں جن چوروں اور ٹھگوں کی طرف اشارہ کیا گیا تھا، یہ دنیا انھیں کی آماجگہ ہے۔ دنیا کہہ کر شاعر انسانی معاشرے کو مزید وسعت دیتا اور مکانی کے ساتھ ساتھ زمانی لحاظ سے بھی اسے اپنے زمانے سے ہمارے زمانے تک پھیلا دیتا ہے۔ شاعری میں دنیا کو عام طور پر انھیں تشبیہوں اور کنایوں وغیرہ سے پکارا جاتا ہے یعنی حرافہ، ظالم، قاتل، ڈائن، مردار اور شوہر کُش۔ اس آخری صفت میں تاریخ اور اساطیر کی بہت سی کہانیوں کی طرف اشارے سمائے ہوئے ہیں۔

موضوعی لحاظ سے غیر متعلق شعر ''تم تو چاند عرب کے ہو............'' کی طرح بعد کا شعر۔

وہ تو نہایت سستا سودا بیچ رہے ہیں جنت کا
ہم مفلس کیا مول چکائیں ، اپنا ہاتھ ہی خالی ہے

بھی اس تخلیق کے اندھیرے ماحول میں ٹوٹی ہوئی آس کی کرن کے شعری اظہار سے میل نہیں کھاتا پھر اس شعر میں تخاطب اچانک ''وہ'' (جمع غائب) اور ضمیر تقابل ''ہم'' (جمع متکلم) جیسے لسانی تعملات استعمال کیے گئے ہیں جن کا شعر میں محل نہیں ہے کیوں کہ پہلے شعر میں جو کردار ''تو'' ہے۔ ہم نے دیکھا کہ وہی کردار آگے چل کر ''مَیں'' میں بدل گیا ہے اور بڑی فن کاری سے بدلا ہے۔ یہاں وہ اور ہم کے اجتماع میں وہ بات نہیں ملتی۔

آخری شعر جس میں شاعر نے اپنا تخلص نظم کر کے خود کو مخاطبین (چور اور ٹھگ) سے مماثل قرار دیا ہے، اس مقطع سے پہلے ''تم تو چاند عرب کے ہو............'' والے شعر کی ضرورت تھی اگر چہ اس شعر اور مقطع میں استعمال کی گئی ضمیریں شتر گربہ کے عیب کی مثالیں ہیں۔

تم تو چاند عرب کے ہو پیارے ، تم تو عجم کے سورج ہو
دیکھو ، مجھ بے کس پر شب نے کیسی آفت ڈالی ہے

اور مقطع ؎

مولا ، تیرے عفو وکرم ہوں میرے گواہ صفائی کے
ورنہ رضاؔ سے چور پہ تیری ڈگری تو اقبالی ہے

اگر یہ دونوں اشعار اوپر دیے گئے طور پر ہوتے تو مقطع میں مولا کا تخاطب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوتا، بصورتِ دیگر (یعنی دونوں اشعار کے ساتھ نہ ہونے پر) یہ تخاطب اللہ تعالیٰ کی طرف مرجوع ہے کہ تیرے رحم وکرم کی صفت کو مَیں اپنی صفائی کے گواہ کے طور پر پیش کرتا اور تو نے جو مجھ پر نالش کی ہے، اسے مَیں اس دنیا کے ایک عام گناہ گار فرد ہونے کے اعتراف کے طور پر قبول کرتا ہوں۔ اس تاریک رات میں مجھے ایک تیرے رسول ہی سے آس ہے اور تیرے عفو کرم سے مجھے یقین ہے کہ تیرے حضور وہ میری صفائی پیش کریں گے۔

یہ پندرہ اشعار مجموعی طور پر دراصل ایک مناجاتی نظم تخلیق کرتے ہیں جس میں شاعر چوروں، ٹھگوں اور گناہ گاروں سے بھری ہوئی دنیا کی آفات کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے کہ اندھیروں نے مجھے گھیر رکھا ہے، اب مجھ جیسے گناہ گار کی بخشش صرف اللہ تعالیٰ کے عفو کرم اور استمدادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر منحصر ہے۔

رضاؔ بریلوی کا تصورِ عشق

☆ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری، میسور یونی ورسٹی

حضرت رضا بریلوی کے منظوم کلام کا مجموعہ، تصور عشق کی کہکشاں، اور بہار فکر کا گلستاں ہے، شاعروں نے محبوب کی سیرت وصورت، حسن و جمال، فضل وکمال، وفا و جفا پر اپنے اپنے انداز میں بہت کچھ کہا ہے اور بہت خوب کہا ہے۔ تاہم حضرت رضا بریلوی نے شدت احساس سے جذبات دروں کے مدوجزر کو اپنے حسن وخیال اور زور بیاں سے جس طرح شگفتگی بخشی ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ کرب میں طرب، درد میں دوا سوزش میں کشش، گلاب میں گلشن، کم میں کیف، سوز میں ساز اور موت میں حیات کا جو تصور انہوں نے پیش فرمایا ہے اس کا جواب کہاں...... بلاشبہ ''حدائق بخشش'' فکر وادب کے ماتھے کا سیندور، شعر وشاعری کے گلے کا ہار، اردوئے معلٰی کی پیشانی کا جھومر، معنیٰ آفرینی کے سر کا تاج، اور ممتاز شعراء کے ندرت فکر، نزاکت خیال کے لئے روشن شمع اور عربی، فارسی، اردو کی نعتیہ شاعری کا قابل فخر سرمایہ ہے۔

حضرت کافی سے عقیدت: شاعری میں حضرت رضا بریلوی شہید جنگ آزادی مولانا کفایت علی کافی سے بہت متاثر تھے چنانچہ آپ نے لکھا ہے...... ''مولانا کافی علیہ الرحمہ کی زیارت آٹھ برس میں عمر میں خواب میں ہوئی۔ میری پیدائش کے گیارہ مہینے بعد مولانا کافی کو پھانسی ہوئی۔(۱)

چنانچہ غلام رسول مہر نے لکھا ہے ....'' کافی کی غزلیں بہت پسند کرتے تھے۔ ان کو سلطان نعت کہتے تھے(۱۸۵۷ء کے مجاہد ص ۳۱۱)

چنانچہ آپ اپنی رباعی میں کہتے ہیں۔ ؎

'' مہکا ہے میری بوئے دہن سے عالم یاں نغمہ شیریں نہیں تلخی سے بہم

کافی سلطان نعت گویاں ہیں رضا انشاء اللہ میں وزیر اعظم

شرف استادی: تعجب ہے کہ شعر وسخن کے میدان میں بھی ارباب فکر ونقد جس کی استادی کا لوہا تسلیم کررہے ہیں۔ شاعری میں اس کا کوئی استاد نہیں تھا۔ انہی کی زبانی سنئے ؎

رہا نہ شوق کبھی مجھ کو سیر دیواں سے ہمیشہ صحبت ارباب شعر سے ہوں نفور
جبین طبع ہے ناسود داغ شاگردی غبار منت اصلاح سے ہے دامن دور
مگر جو ہاتف غیبی مجھے بتاتا ہے زبان تک اسے لاتاہوں میں بمدح حضور

تاہم مداح بارگاہ رسول حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رہبری پر فخر وناز ہے۔ ؎

رہبر کی رہ نعت میں گر حاجت ہو
نقش قدم حضرت حسان بس ہے

حضرت رضا بریلوی کو محبوب خدا کی مداحی پر وجد آتا تھا کیوں نہ ہو کہ قرآن کریم خود ہی مدحت سرکار دوعالم کا انمول گلدستہ ہے، اللہ کے اسی بے نظیر کلام کی رہنمائی اور روشنی میں فکر رضا پرواز کناں ہے۔ بیمثل وبے مثال کلام کی روشنی نے آپ کے کلام کو بھی بے مثل بنادیا۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ بے جا سے ہے المنتہ للله محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوی سیکھی یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ (۲)

حضرت رضا بریلوی نے انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں شاعری کا آغاز کیا۔ اور نعت گوئی کو مسلک شعری کے طور پر اپنایا اوراس میں وہ کمال پیدا کیا کہ اپنے معاصرین شعراء سے گوئے سبقت لے گئے۔ ؎

یہی کہتی ہے بلبل باغ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصف شاہ ہدیٰ مجھے شوخئ طبع رضا کی قسم

منتخب کلام رضا: حضرت رضا بریلوی شعر وادب کا بہت ہی معیاری ذوق رکھتے تھے آپ نے تقریباً ہر میدان میں گوئے فکر دوڑایا اور بازی جیتی ذیل میں ان کے کلام کا مختصر انتخاب پیش ہے۔ ؎

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا

یہی بولے سدرہ والے چمن جہاں کے تھالے
سبھی میں نے چھان ڈالے تیرے پایہ کا نہ پایا
تجھے یک نے یک بنایا

ارے اے خدا کے بندو کوئی میرے دل کو ڈھونڈو
میرے پاس تھا ابھی تو ابھی کیا ہوا خدایا
نہ کوئی گیا نہ آیا

ایک نعت میں آپ نے چار زبانوں کا سنگم اس طرح پیش کیا ہے کہ تاریخ ادب میں اس کی مثال مفقود ہے۔ کیوں کہ اس سے پہلے تین زبانوں کا امتزاج صرف امیر خسرو اور جامی کے یہاں ملتا ہے۔ حضرت رضا بریلوی کے علمی تبحر کا تقاضا بھی یہی تھا کہ وہ کوئی ایسی نعت لکھتے جو بے مثل ہوتی چنانچہ ایک نعت انہوں نے صنعت ملمع میں لکھی اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) ملمع مکشوف:۔ یعنی جب ایک مصرعہ عربی میں اور ایک فارسی میں ہو۔

(۲) ملمع مجوب:۔ یعنی جب ایک شعر عربی میں ہو دوسرا فارسی میں ہو۔ (۳)

لیکن حضرت رضا بریلوی نے ایسے ملمع میں اشعار لکھے ہیں جس میں عربی، فارسی، ہندی اور اردو چاروں زبانوں کے الفاظ ہیں ؎

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا
البحر علی والموج طغیٰ من بے کس و طوفاں ہوش ربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیا پار لگا جانا
یا شمس نظرت الیٰ لیلی چوں بطیبہ رسی عرضے بکنی
توری جوت کی جھلجھل جگ میں رچی مری شب نے نہ دن ہونا جانا
انا فی عطش وسخاک اتم اے گیسوئے پاک اے ابر کرم
برسن ہارے رِم جھم رِم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا
الروح فداک فزد حرقا یک شعلہ دگر برزن عشقا
موراتن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا

مرزا غالب ہندوستان میں بانیان شعر وسخن میں ایک مانے گئے ہیں۔ انہیں دربار شاہی سے استاذ الشعراء، دبیر الملک کا خطاب مل چکا ہے، وہ ایک سنگلاخ زمین میں ایک مرصع غزل لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں، اردو شاعری کی دنیا میں ہلچل مچ جاتی ہے ؎

غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں
بوسہ کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یوں
میں نے کہا کہ بزم ناز چاہئے غیر سے تہی
سن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں
جو یہ کہے کہ ریختہ کیوں کر ہو رشک فارسی
گفتہ غالب ایک بار پڑھ کے اسے سنا کہ یوں

اب اسی سنگلاخ زمین میں حضرت رضا کے جذبات کی تڑپ دیکھئے ؂

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں
میں نے کہا کہ جلوۂ اصل میں کس طرح گمیں
صبح نے نور مہر میں مٹ کے دکھا دیا کہ یوں
دل کو ہے فکر کس طرح مردے جلاتے ہیں حضور
اے میں فدا لگا کر ایک ٹھوکر اسے بتا کہ یوں
باغ میں شکر وصل تھا ہجر میں ہائے ہائے گل
کام ہے ان کے ذکر سے خیر وہ یوں ہوا کہ یوں
جو کہے شعر و پاس شرع دونوں کا حسن کیوں کر آئے
لا اسے پیش جلوہ زمزمۂ رضؔا کہ یوں

ایک اور غزل اسی ردیف میں قافیہ کے ادنیٰ فرق سے مرزا غالب نے لکھی ہے ؂

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں
ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

اب اس مقابلے میں حضرت رضا بریلوی کا کمال فکر دیکھئے انہوں نے اپنی فنی چابکدستی سے سخن کی اس خارزار وادی کو نعت کا گلشن و گلزار بنادیا۔ ؎

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائیں کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں
جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں
ہم تو ہیں آپ دلفگار غم میں ہنسی ہے ناگوار
چھیڑ کے گل کو نوبہار خون ہمیں رلائے کیوں
خوش رہے گل پہ عندلیب خار حرم مجھے نصیب
میری بلا بھی ذکر پر پھول کے خار کھائے کیوں

نعتیہ مضامین میں معراج بھی ایک موضوع ہے جس پر نعت گو شعراء نے نئے نئے اسلوب سے اظہار خیال کیا ہے۔ معراج نامے بہت سے شعراء نے لکھے ہیں۔ لیکن حضرت رضا بریلوی نے ایک طویل قصیدہ کہا ہے جس کے کل ۶۷/اشعار ہیں، دلکش شاعرانہ انداز نے وہ گلکاری کی ہے کہ مشام عقیدت معطر ہو جاتے ہیں۔

یہ وہ عالمگیر شہرت رکھنے والا قصیدہ ہے جس پر ہندوستان کے بڑے بڑے شعراء نے تضمین لکھیں اور بہت کچھ طبع آزمائیاں کیں، جب یہ قصیدہ سوداگری محلہ (بریلی شریف) کی چہار دیواری سے باہر نکلا تو علی گڈھ کالج کے پروفیسروں نے بھی اس پر متعدد خمسے اور تضمین لکھیں۔ اور کالج کے طلباء نے بھی مدتوں اپنا حسین نغمہ بنائے رکھا، یہ تو سب نے مان لیا کہ واقعہ معراج شریف پر اردو زبان میں ایسی بلند پایہ نظم نہ ہوئی۔ وہ نظم یہ ہے ؎

وہ سرور کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لئے تھے
وہاں فلک پر یہاں زمیں میں رچی تھی شادی مچی تھی دھومیں
ادھر سے انوار ہنستے آتے ادھر سے نفحات اٹھ رہے تھے

نئی دلہن کی پھبن میں کعبہ نکھر کے سنورا سنور کے نکھرا
حجر کے صدقے کمر کے اک تل میں رنگ لاکھوں بناؤں کے تھے
پہاڑیوں کا وہ حسن تزئین وہ اونچی چوٹی وہ ناز و تمکین
صبا سے سبزہ میں لہریں آئیں دوپٹے دھانی چنے ہوئے تھے
خدا ہی دے صبر جان پرغم دکھاؤں کیوں کر تجھے وہ عالم
جب ان کو جھرمٹ میں لے کے قدسی جناں کا دولہا بنا رہے تھے
تجلی حق کا سہرا سر پر صلوٰۃ وتسلیم کی نچھاور
دورویہ قدسی پرے جما کر کھڑے سلامی کے واسطے تھے
نبی رحمت شفیع امت رضا پہ لللہ ہو عنایت
اسے بھی ان خلعتوں سے حصہ جو خاص رحمت کے واں بٹے تھے

امیر مینائی اردو ادب کا ایک مستند نام ہے انہوں نے ایک غزل کہی ہے اور حق یہ ہے کہ حق ادا کر دیا ہے مگر اسی زمین وقافیہ میں حضرت رضا بریلوی نے نعت لکھی ہے۔ دونوں کا لطف وکیف دیکھئے۔ حضرت رضا بریلوی کے خیال کی بلندی وعظمت ہی اور ہے۔

امیر مینائی

یہ ترو تازہ چمن ہے کہ تمہارا عارض
یہ دھواں دھار گھٹا ہے کہ تمہارے گیسو
بال کنگھی سے جو سلجھائے تو دل الجھایا
تیرہ بختوں کو بگاڑا جو سنوارے گیسو
مچھلیا ں دام سمجھ کر ہیں جو موجوں میں نہاں
کھل گئے کس کے یہ دریائے کنارے گیسو
دن کو رخسار دکھاتا ہے فروغ خورشید
شب کو چمکاتے ہیں افشاں کے ستارے گیسو

رضا بریلوی

سوکھے دھانوں پہ ہمارے بھی کرم ہوجائے
چھائیں رحمت کی گھٹا بن کے تمہارے گیسو
شانہ ہے پنجۂ قدرت تیرے بالوں کے لئے
کیسے ہاتھوں نے شہا تیرے سنوارے گیسو
تار شیرازۂ مجموعۂ کونین ہیں یہ
حال کھل جائے جو اکدم ہوں کنارے گیسو
تیل کی بوند یں ٹپکتی نہیں بالوں سے رضا
صبح عارض پہ لٹائے ہیں ستارے گیسو

آقائے کونین کے حضور ہدیہ سلام نذر گذارنا ہر صالح قلب کی دھڑکن اور پاکیزہ روح کی آواز ہوتی ہے اسی لئے ہر شاعر، سلام کے عنوان سے بھی شعر کہہ کر اپنی روح کی تشنگی کا سامان کرتا ہے حضرت رضا بریلوی نے بھی سلام کہا ہے۔ کیا کہا ہے اور کیسا کہا ہے اس تعلق سے مشہور عالم ونقاد مولانا کوثر نیازی سے سنئے۔

''اردو، عربی، فارسی، تینوں زبانوں کا نعتیہ کلام میں نے دیکھا ہے اور بالاستیعاب دیکھا ہے۔ میں بلاخوف تردید کہتا ہوں کہ تمام زبانوں اور تمام زمانوں کا پورا نعتیہ کلام ایک طرف اور شاہ احمد رضا کا سلام ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام' ایک طرف، دونوں کو ایک ترازو میں رکھا جائے تو احمد رضا کے سلام کا پلڑا پھر بھی جھکا رہے گا، میں اگر یہ کہوں کہ یہ سلام اردو زبان کا قصیدہ بردہ ہے تو اس میں ذرہ بھر بھی مبالغہ نہ ہوگا۔ (۴)

اور پروفیسر وسیم بریلوی کا خیال ہے کہ:۔ اردو کے بڑے شاعروں کا سارا بڑا پن شاعرانہ سحر کاریوں کے گرد گھومتا ہے ان سب کا جلوہ ایک جگہ۔ اور پورے فنی، وفکری التزام کے ساتھ اگر دیکھنا ہو تو فاضل بریلوی کی حدائق بخشش دیکھیں۔ (انتخاب حدائق بخشش، ص ۵۲) حدائق بخشش آپ کا ادبی شاہکار، واردات قلبی کا درخشندہ تابندہ، بارگاہ رسول مجتبیٰ علیہ السلام میں آپ کے بے پناہ عقیدت ومحبت کا آئینہ دار، اور حمد ونعت ومنقبت جیسے پاکیزہ فکر وادب کے لئے گلستان سدا بہار

ہے۔اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حدائق بخشش محبوب دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ، سیرت مبارکہ، فضائل عالیہ، کا ایک ایسا چمن در چمن ہے کہ۔ ؎

''کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجا ست''

کے مطابق اس گلشن سے کس کس پھول کو چنا جائے اور اپنے مضمون کو ممنون نکہت کیا جائے عقل حیران و پریشان ہے ہم نے صرف چند پہلو کا انتخاب کرنا چاہا اور بعد میں جب شمار کیا تو پچاس سے زاید عنوان ہو چکے تھے۔اس منتخب گلدستے سے صرف چند پھول حاضر ہیں۔دیکھئے رضا بریلوی کا ''عشق'' کیسا سدابہار، گلستاں بکنار اور ''وہی ایک جلوہ ہزار ہے' کا کیسا شاہکار ہے۔ایک ایک گوشے پر کتنے انداز و ادا سے انہوں نے طبع آزمائی خیال آفرینی کی ہے ہر انداز میں ایک جدت اور ہر ادا حسن فکر کا مظہر ہے۔

رخ روشن

رخ روشن کی تجلی جو قمر نے دیکھی رہ گیا بوسہ دہ نقش کف پا ہوکر

پردہ اس چہرہ انور سے اٹھاکر اکبار اپنا دیوانہ بنااے مہ تاباں ہم کو

کس کے روئے منور کی یاد آگئی دل تپاں دل تپاں دل تپاں ہوگیا

خورشید تھا کس زور پر کیا بڑھ کے چمکا تھا قمر

بے پردہ جب وہ رخ ہوا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

ک، گیسو ، ﮦ دہن ی ، آنکھیں ، ابرو، ع، ص

کھیعص ان کا ہے چہرہ نور کا

گیسوئے عنبرین

بھینی خوشبو سے مہک جاتی ہیں گلیاں واللہ

کیسے پھولوں میں بسائے ہیں تمہارے گیسو

دعاء کر بخت خفتہ جاگ ہنگام اجابت ہے

ہٹایا صبح رخ سے شاہ نے شبہائے کاکل کو

یاد گیسو ، ذکر حق ہے ، آہ کر

دل میں پیدا لام ہوہی جائے گا

بڑھ چلی ، تیری ضیاء اندھیر عالم سے گھٹا
کھل گیا گیسو تیرا رحمت کا بادل گھر گیا

خارطیبہ

خار دشت حرم کے آگے
ذکر و چمن بہار توبہ
ان کی حرم کے خار کشیدہ ہیں کس لئے
آنکھوں میں آئیں، سر پہ رہیں ، دل میں گھر کریں
اے خار طیبہ دیکھ کہ دامن نہ بھیگ جائے
یوں دل میں آ کہ دیدۂ تر کو خبر نہ ہو
پھول کیا دیکھوں میری آنکھوں میں
دشت طیبہ کے خار پھرتے ہیں

سگ مدینہ

دل کے ٹکڑے نذر حاضر لائے ہیں
اے سگان کوچۂ دلدار ہم
خوف ہے سمع خراشی سگ طیبہ کا
ورنہ کیا یاد نہیں نالۂ افغاں ہم کو
تجھ سے در، در سے سگ ، سگ سے ہے مجھ کو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا

شان مسیحائی

کشتگان گرمئ محشر کو وہ جان مسیح
اپنے دامن کی ہوا دے کر جلاتے جائیں گے
مرنے والوں کو یہاں ملتی ہے عمر جاوید
زندہ چھوڑ ے گی کسی کو نہ مسیحائی دوست

اک دل ہمارا کیا ہے آزار اس کا کتنا
تم نے تو چلتے پھرتے مردے جلادیئے ہیں

عشق مصطفیٰ

ہمارے درد جگر کی کوئی دوانہ کرے کسی ہو عشق نبی میں کبھی خدا نہ کرے
خاک ہوکر عشق میں آرام سے سونا ملا جان کی اکسیر ہے الفت رسول اللہ کی
برق عشق شہ والا یہ گری وہ تڑپی شور سینوں میں ہے برپا یہ گری وہ تڑپی
جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں
انہیں جانا انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

غلامیِ مصطفیٰ

نازشیں کرتے ہیں آپس میں ملک
ہیں غلامان شہ ابرار ہم
میں تو کیا ہی چاہوں کہ بندہ ہوں شاہ کا
پر لطف جب ہے کہدیں اگر وہ جناب ہوں
خوف نہ رکھ رضا ذرا تو تو ہے عبد مصطفیٰ
تیرے لئے امان ہے تیرے لئے امان ہے

شان تبسم

زخمی تیغ تبسم ہے کہ دکھلاتا ہے برق رقص بسمل کا تماشا یہ گری وہ تڑپی
جس کی تسکین سے روتے ہوئے ہنس پڑے اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام
جس تبسم نے گلستاں پر گرائی بجلی پھر دکھادے وہ ادائے گل خنداں ہم کو
مجرموں! چشم تبسم رکھو پھول بنجاتے ہیں انگاروں کے

جلوۂ جاناں

نیم جلوے میں دوعالم گلزار
واہ واہ رنگ جمانے والے

ان کے جلووں کا جس دم بیاں ہوگیا
گلستاں مجمع بلبلاں ہوگیا

ہاں چلو حسرت زدو سنتے ہیں وہ دن آج ہے
تھی خبر جس کی کہ وہ جلوہ دکھاتے جائیں گے

تنگ ٹھہری ہے رضا جس کے لئے وسعت عرش
بس جگہ دل میں ہے اس جلوہء ہر جائی کی

دیدار پرانوار

لطف ان کا عام ہوہی جائے گا شاد ہر نا کام ہوہی جائے گا
جان دے دو وعدۂ دیدار پر نقد اپنا دام ہوہی جائے گا
آج عید عاشقاں ہے گر خدا چاہے کہ وہ ابروئے پیوستہ کا عالم دکھاتے جائیں گے
جنت نہ دیں، نہ دیں تیری رویت ہو خیر سے اس گل کے آگے کس کو ہوس برگ وبر کی ہے

ناخن منور

دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخن پاکا اتنا بھی مہ نو پہ نہ اے چرخ کہن پھول
جالوں پہ جالے پڑگئے للہ وقت ہے مشکل کشائی آپ کے ناخن اگر کریں
عید مشکل کشائی کے چمکے ہلال ناخنوں کی بشارت پہ لاکھوں سلام

تلوہ کا جلوہ

جس کے تلووں کا دھون ہے آب حیات ہے وہ جان مسیحا ہمارا نبی
دل کرو ٹھنڈا میرا وہ کف پاچاند سا سینہ پہ رکھدو ذرا تم پہ کرو روں درود
موت سنتا ہوں ستم تلخ ہے زہرا بہ ناب کوئی لا دے مجھے تلوؤں کا غسالہ تیرا
عکس سم نے چاند سورج کو لگائے چار چاند پڑگیا سیم وزر گردوں پہ سکہ نور کا

قدوقامت زیبا

تیرا قد تو نادر دہر ہے کوئی مثل ہو مثال دے
نہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں کہ چمن میں سرو چماں نہیں

تیرا قد مبارک گلبن رحمت کی ڈالی ہے
تجھے بوکر بنا اللہ نے رحمت کی ڈالی ہے
ہے گل باغ قدس رخسار زیبائے حضور
سروگلزار قدم قامت رسول اللہ کی

حسن باملاحت

حسن کھاتا ہے جس کے نمک کی قسم
وہ ملیح دل آرا ہمارا نبی
ان کے حسن با ملاحت پر نثار
شیرۂ جاں کی حلاوت کیجئے
جس کا حسن اللہ کو بھی بھا گیا
ایسے پیارے سے محبت کیجئے
وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

کوچۂ محبوب

گذرے جس راہ سے شاہ گردوں جناب آسماں آسماں ہوگیا
اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں مانگتے تاجدار پھرتے ہیں
عنبر زمیں عبیر ہوا ، مشک ترغبار ادنیٰ سی یہ شناخت تیری رہگذر کی ہے

گلزار مدینہ

چمن طیبہ ہے وہ باغ کہ مرغ سدرہ برسوں چہکے ہیں جہاں بلبل شیدا ہوکر
نیم وا طیبہ کے پھولوں پر ہو آنکھ بلبلو پاس نزاکت کیجئے
گل طیبہ کی ثناء گاتے ہیں نخل طوبیٰ یہ چہکنے والے
کیابات رضا اس چمنستان کرم کی زہرا ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول

مدحت مصطفیٰ

اے رضا جان عنادل تیرے نغموں کے نثار بلبل باغ مدینہ تیرا کہنا کیا ہے
کرم نعت کے نزدیک تو کچھ دور نہیں کہ رضائے عجمی ہو سگ حسان عرب
اے رضا خود صاحب قرآں ہے مداح حضور تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی

ندرت خیال

شاخ قامت شہ میں زلف و چشم و رخسار و لب میں
سنبل نرگس ، گل پنکھڑیاں قدرت کی کیا پھولی شاخ
جناں میں چمن، چمن میں سمن، سمن میں پھبن، پھبن میں دولہن
سزائے محن یہ ایسے منن ۔ یہ امن و اماں تمہارے لئے
دو قمر دو پنجۂ خوردوستارے دس ہلال
ان کے تلوے، پنجے ناخن پائے اطہر، ایڑیاں
دندان ولب و زلف ورخ شہ کے فدائی
ہیں درعدن، لعل یمن مشک ختن پھول
سرتا بقدم ہے تن سلطان زمن پھول
لب پھول، دہن پھول ، ذقن پھول ، بدن پھول

درودوسلام

کعبہ کے بدرالدجیٰ تم پہ کروڑوں درود طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروڑوں درود
ذات ہوئی انتخاب وصف ہوئے لا جواب نام ہوا مصطفیٰ تم پہ کروڑوں درود
سینہ کہ ہے داغ داغ کہدو کرے باغ باغ طیبہ سے آ کر صبا تم پہ کروڑوں درود
کام وہ لے لیجئے ۔تم کو جو راضی کرے ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروڑوں درود
مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام
مہر چرخ نبوت پہ روشن درود گل باغ رسالت پہ لاکھوں سلام
شہر یار ارم تاجدار حرم نو بہار شفاعت پہ لاکھوں سلام

ہم غریبوں کے آقا پہ بیحد درود ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام
کاش محشر میں جب ان کی آمد ہو اور بھیجیں سب ان کی شوکت پہ لاکھوں سلام
مجھ سے خدمت کی قدسی کہیں ہاں رضا مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام(۵)

یہ ہے حضرت رضا بریلوی کے منظوم کلام کا ایک ہلکا سا عکس جسے دیکھ کر پہلی ہی نظر میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح آپ اہلسنت کے امام ہیں، اسی طرح آپ کا کلام بھی سخن وکلام کا امام ہے چنانچہ آپ کے دیوان حدائق بخشش پر'' کلام الامام امام الکلام'' کا مقولہ حرف بحرف صادق آتا ہے......نثر سے لے کر نظم تک آپ نے عشق رسول کے جو پھول کھلائے اور محبت وعقیدت کے جو دیپک جلائے ہیں اس کی کرنیں، اس کی نکہتیں، غلامان رسول اور مداحان مصطفیٰ کے لئے شمع ہدایت ہیں ......آپ کے تصنیفی گلستان کو دیکھنے کے بعد یہ ماننے بغیر کوئی چارہ کار نہیں رہتا کہ حضرت رضا بریلوی عہد جدید کی ایک عظیم شخصیت کا نام ہے۔ایسی شخصیت جس کے فکر میں پاکیزگی، حرارت و روشنی اور زندگی ہے، جس کی ذہنی فکری، جذباتی افق ایسی وسیع ہے کہ اس کی وسعتوں میں بڑے بڑے ادیب ودانشور حیران نظر آتے ہیں۔جس کی فکری کاوش نے جھوٹے محبوبوں سے دل ہٹا کر سچے محبوب کی طرف لگا دیا، دل کی متاع گراں بہار ضائع ہونے نہ دیا۔ پراگندہ خیالی سے بچا کر یکسوئی عطا کی، ادھر ادھر ٹوٹنے اور بکھرنے سے نجات دلا کر عالمی، آفاقی، دائمی مرکز چوکھٹ مصطفیٰ کی محبت عطا کی۔جس کی ہر تصنیف عشق مصطفیٰ کی شمع فروزاں اور جس کی ہر تالیف حرارت ایمانی کا آفتاب درخشاں اور جس کی ہر تحریر کیفیات وتصورات عشق کا گل بداماں شبستان ہے۔نعت گو شعراء میں حضرت رضا بریلوی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ان کے اشعار میں ندرت، اصلیت بلندی وباریکی اور سوز وتڑپ کے عناصر اس طرح حلول کر گئے ہیں جیسے پھول میں خوشبو چوں کہ انہوں نے بقول خود قرآن سے نعت گوئی سیکھی اس لئے اس صحرا میں آپ نے جو بھی قدم رکھا ہے نقوش قدم کی تابانیوں سے محبت کے پھول بھی کھلائے اور اردو ادب کے دامن کو بھی بہاروں کا مسکن بنا دیا ہے ......مجازی عاشقوں نے اپنے مجازی محبوبوں کیلئے جنون عشق میں نہ جانے کیا کیا کہا ہے، اور فکر کی وہ جولانی دکھائی ہے کہ لگتا ہے آسمان سے تارے توڑ رہے ہیں اور محبوب کے دامن میں ٹانک رہے ہیں، محبوب کے خدوخال، زلف ورخسار، لب لعلیں، نخرہ وعشوہ، ناز وانداز غمزہ وتبسم، قدوقامت اور وفاء وجفاء پر اپنے فکر کا مغز پیش کر کے رکھدیا ہے، تاہم حضرت رضا بریلوی نے انہی عنوان پر

اپنے خیالات کی تگ و تاز محبوب خدا محبوب کائنات کے لئے پیش کئے ہیں، قاشہائے جگر، متاع دل ان کے قدم ناز پہ وارے ہیں جن کی محبت ان کی ذات کی طرح انمٹ، اور جن سے عشق ہمارے دین و ایمان کی فیروزمندی کی ضمانت ہے۔ جن سے لگن اور لگاؤ کی رعنائیاں عالم شہادت سے عالم آخرت تک کو محیط ہیں، اور اس سوغات عشق کی پیشکشی میں افکار و خیالات کی جو ندرت، اور تراکیب، واستعارات کی جو جدت انہوں نے اپنائی ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تلوار کی دھار پر چل کر صحرائے عشق کی خار دار وادیوں سے سرخ رو لوٹنا کوئی ان سے سیکھ لے۔

مراجع

۱: الملفوظ ج ۲، مرتب مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا قادری ص ۴۶

۲: حدائق بخشش، امام احمد رضا ص ۱۸۹

۳: کلام رضا، اصغر حسین لدھیانوی ص ۱۳

۴: مولانا احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت، مولانا کوثر نیازی ص ۴۳

۵: دائق بخشش، امام احمد رضا، پورے دیوان سے منتخب

حدائقِ بخشش کی اردو نعتیہ شاعری

☆اثر صدیقی،کائناتِ نجم النسآء،جعفرنگر، مالیگاوں۔

نعت عربی لغات کا وہ مقدس، محتشم، مکرم اور محترم لفظ ہے جو اپنی ساعتِ آفرینش سے امروز تک صرف اور صرف اوصافِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار واشتہار کے لیے مختص و مستعمل ہے۔نعت اس کامل ترین شخصیت کی قصیدہ خوانی وتہنیت وتقدیس ہے، جس کے جاہ وجلال، تقوا، اخلاص، توکل، صبروتحمل، تدبروتشکراور فصاحت وبلاغت کا کائناتِ عالم میں کوئی ثانی نہیں۔وہ روحِ کونین ہے جس کا اسوۂ حسنہ دربارِ ایزدی میں مرکزِ درود وسلام ہے بہ قول اعلاحضرت مولانا احمد رضا بریلوی ؎

میں تو کیا چیز ہوں خود صاحبِ قرآں کو شہا
لاکھ مصحف سے پسند آئی بہارِ عارض

قرآن مجید نے رحمۃ للعالمین، طٰہٰ ویٰسٓ، مدثر ومبشر، منذر ونذیر، مزمل وسراجِ منیر جیسے القاب و اعزازات سے خاتم النبین ﷺ کو خطاب کر کے ابنِ آدم کو دربارِ رسالت مآب میں گفتگو کا سلیقہ و قرینہ تفویض کیا، قرآن مجید صرف سرمدی وابدی گل دستۂ نعت نہیں بل کہ ایک جامع درس گاہِ نعت بھی ہے بہ قول مصنفِ حدائقِ بخشش ؎

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

فنِ نعت کو صرف شعری محاسن نہیں جذباتی مناقب بھی درکار ہیں۔نعت خارجی انسلاکات وداخلی محسوسات کا جمالیاتی اشتراک ہوتی ہے۔محفلِ نعت اس محبوبِ خدا ﷺ کی بارگاہ ہے جہاں عاشقِ دل گیر کو بے سروسامانیاں نہیں ساز ورخت کی ضرورت ہے۔اس بزمِ ناز میں عاشق شکوہ سنج نہیں تشکر طراز ہوتا ہے۔ یہاں پائے اسلوب میں شریعت کی بیڑیوں کی کارفرمائی ہے۔ایوانِ نعت میں ''باادب''......''با ملاحظہ''...... کی صدائے بازگشت ہمیشہ گونجتی رہتی ہے۔نعت گو...... وتعزروہ وتوقروہ......کے آفاقی نظام کا پابند ہوتا ہے۔

اس دربارِ رسالت مآب میں قیس وفرہاد کی طرح بے محابا اظہارِ عشق کی اجازت نہیں۔یہاں

عقیدتِ صدیق کی خاموش عبادت مقبول ہے۔ یہاں دلِ رنجور کے ہزار پارچے یہاں وہاں بکھیر نے والوں کا ازدحام نہیں بل کہ یہاں باطل کے لشکرِ جرار کے رو بہ رو چند فدائیانِ رسول کے عزم و عمل کی صف بندیاں ہیں۔ یہاں دیدارِ یوسفِ کنعاں سے زلیخاے وقت کی انگلیاں نہیں کٹتیں بل کہ فیضانِ یار سے نسلوں کے مقدر سنورتے ہیں۔ یہاں کفِ کلیم میں اک چاند نہیں چمکتا بل کہ اک جنبشِ انگشت سے مہ تابِ عالم تاب کے شق ہونے کی سرمستیاں ہیں۔ یہاں دمِ مسیح سے مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ نہیں بل کہ اک مکمل ضابطۂ حیات اور روشن لائحۂ عمل سے مردار ادیان و ملل کے اجسام میں حیات افروزیاں ہیں۔ یہاں بحر و بر میں تختِ سلیمانی کی طاقت آزمائی نہیں بل کہ قلوب و اذہان کی تسخیر کے درخشاں ابواب ہیں۔ یہاں صرف قندیلِ لفظ کی قیمت و پذیرائی نہیں بل کہ جذبۂ بلیغ و اخلاصِ عمیق کے ماہِ کامل کی کام رانی ہے۔ نعت گوئی صحراے بے کراں کی غزل خوانی نہیں بل کہ حریمِ جاں میں اذانِ شوق ہے۔ نعت گوئی مجازی محبوبوں کے سنگِ در کی بوسہ بازی نہیں بل کہ کربلاے وقت میں سجدۂ حسین کی سرشاری ہے۔ یہاں سوداے نقد کا معاملہ نہیں بل کہ انتظارِ محشر کا کیف و سرور ہے ؎

رضاؔ جو دل کو بنانا تھا جلوہ گاہِ حبیب
تو پیارے قیدِ خودی سے رہیدہ ہونا تھا

حضرت مولانا کی نعتیہ شاعری شاعرِ مشرق کے ساختیاتی و معنیاتی آئینہ خانوں میں نغمۂ عندلیب و رنگِ طاوس نہیں بل کہ سوزِ جبریل یا بانگِ سرافیل ہے۔ مولانا کا احساس لاکھ حکیم سربہ جیب نہیں بل کہ ایک کلیم سربہ کف ہے۔ مولانا کی شاعری جلوۂ شعور و شعار نہیں بل کہ مدینہ و نجف کی سرمہ سرائی ہے۔ یہاں سرریشۂ قلم سے خانۂ فرہاد روشن ہے۔ یہاں کاروانِ شوق ہر لحظہ نئے طور اور نئی تجلیوں کا ہم سفر ہے۔ یہاں حریمِ وجود مشعلِ عشق سے فروزاں ہے۔ حدائقِ بخشش کے اوراقِ فروزاں پر صلاۃ و درود سے تب و تابِ دروں کا منظر نامہ ہے۔ یہاں رمزِ دل کی آشنائی سے ہنروری و دیدہ وری کے ابواب روشن ہیں۔ محترم کی تکبیرِ دل میں معرکۂ بود و نبود کی گدازیت ہے۔ یہ محفلِ شعر و سخن وہ آہِ سحر گاہی ہے جس کی بہ دولت عطار، رومی، رازی، غزالی، سعدی اور شیرازی سرفراز ہیں ؎

اے رضاؔ یہ احمدِ نوری کا فیضِ نور ہے
ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

غالبؔ کے زرنگار محیطِ سخن میں حدائقِ بخشش کی شاعری دلِ ہر قطرہ میں سازِ انا البحر کی بازگشت

ہے۔حدائقِ بخشش مستانہ وارواد یِ خیال کا سفر ہے۔حدائقِ بخشش حریم لفظ لفظ میں گنجینۂ معنی کا طلسم ہے۔حدائقِ بخشش کا چراغ،جلوۂ بینش (ﷺ) کے زکاتِ حسن سے مہر آسا ہے ؎

مرے غنی نے جواہر سے بھر دیا دامن
گیا جو کاسۂ مہ لے کے شب گدائے فلک

حدائقِ بخشش بساطِ ہنر پر گل گشتِ جنوں ہے۔حدائقِ بخشش قرطاسِ شوق پر فروغِ عشق کی کار فرمائی ہے۔حدائقِ بخشش محفلِ شعروسخن میں ایک عاشق کی نغمہ سرائی ہے ؎

اے رضاؔ جانِ عنادل ترے نغموں کے نثار
بلبلِ باغِ مدینہ ترا کہنا کیا ہے

حضرت مولانا کا قلم جمالِ کائنات سے تلازمے تلاش کرتا ہے۔ان کا وجدان صبح کے سورج کی طرح فرحت بخش ہے۔ان کا شعور ماہِ درخشاں کی طرح ظلمت نبرد ہے۔ان کے جذبوں میں غنچوں کی طہارت ہے۔ان کے احساس میں پھولوں کی خوشبو ہے۔ان کی بصیرت میں خاکِ کیمیا کی قوتِ جاذبیت ہے ؎

جہاں کی خاک روبی نے چمن آرا کیا تجھ کو
صبا ہم نے بھی ان گلیوں کی کچھ دن خاک چھانی ہے

حدائقِ بخشش کی نعتیہ فضا ایک عاشق کا شہرِ شعار ہے،جہاں محبوبِ رعنا کے غمزہ وچشم،قدوگیسو، ناز وادا،لب ورخسار کی قصیدہ خوانیوں کی جلوہ آرائیاں بھی ہیں؛قلبِ بسمل کے اضطراب وبے تابیوں کی جلوہ سامانیاں بھی۔شعر شعر میں محبت کے بے شمار جاوداں رنگ بکھرے پڑے ہیں۔کاوشِ محترم کا لفظ لفظ عقیدت کی منقبت ہے۔حرف حرف میں مسلکِ احترام کی تہنیت ہے ؎

میٹھی باتیں تری دینِ عجم ایمانِ عرب
نمکیں حسن ترا جانِ عجم شانِ عرب

مولانا محترم نے ادیان وملل کی بے بضاعتی وتنگ دامانی کا اظہار آپ (ﷺ) کی رحمتِ ناتمام کے وسیلوں سے کیا ہے۔مولانا محترم کے زاویۂ نگاہ کے روبہ روبھوک کے شکم سے پتھر باندھ کر نسلوں کی غم خواری کی تاریخ مبیں ہے۔انھیں بارشِ سنگ میں عطائے دعا کی شریعت کا عرفان ہے۔

انھیں کھجوری چٹائی والے دردمند پیمبر (ﷺ) کے شفاف احساس کی معرفت ہے۔انھیں پتا ہے کہ بوسیدہ کالی کملیا میں لپٹا ہوا انسانیت و بشریت کا نجات دہندہ و مسیحا ہے۔

اعلاحضرت اردو شاعری کی روایاتِ پارینہ کے علم بردار سہی مگر اوراقِ حدائقِ بخشش میں فکری علائم سے تفہیمات کے ابواب روشن ہیں۔جا بہ جا تحریر میں سمعی و بصری تلازمے سرچشمۂ اظہار ہیں۔ حضرت مولانا کے شعری محرکات اجتہادی کیفیات کے علم بردار ہیں۔موصوف کا وجدان نئے معنیاتی جہانوں کا متلاشی ہے۔حدائقِ بخشش کے سیاق و سباق میں تازہ کاری کا رنگِ شفق ہے۔لاریب! حدائقِ بخشش کا استعاراتی نظام بلیغ، کامل اور پُر اثر ہے ؎

جنگل درندوں کا ہے ، میں بے یار ، شب قریب
گھیرے ہیں چار سمت سے بد خواہ ، لے خبر
پُر خار راہ ، برہنہ پا ، تشنہ ، آب دور
مولا! پڑی ہے آفتِ جاں کاہ ، لے خبر

حدائقِ بخشش روحانی محسوسات کا ارتکاز ہے۔حدائقِ بخشش متصوفانہ تخیلات کا انکشاف ہے۔ حدائقِ بخشش پاکیزہ جذبات کا انعطاف ہے۔اسلامی بلند روایات اور انسانی اعلا اقدار کی پاس داری و وفا شعاری نے اعلاحضرت کو ایک ''دلِ گداختہ'' عطا کیا اور اس دلِ دردمند نے موصوف کے نعتیہ کلام کو ایک عاشقِ رسول ﷺ کا ترانہ بنا دیا۔چوں کہ نعتِ پاک میں تفریط و افراط کی چنداں گنجایش نہیں ،اس لیے حدائقِ بخشش کے اظہارِ عقیدت کا توازن و اعتدال قابلِ صد احترام ہے۔اس نعتیہ کلام میں ترسیلات کا منظر نامہ متنوع اور دل پذیر ہے۔تخلیقی استعارات سے تخیل اور عقیدت کے آمیزے کی نمو داری ہے۔وارفتگیِ عشقِ رسول ﷺ نے وجدان کو جمالیاتی آہنگ بخشا ہے اور یہ مجموعہ ایجازِ تراکیب کا ایک گہوارہ بن گیا ہے ؎

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

☆☆☆

رضاؔ بریلوی کی نعت گوئی میں مضمون آفرینی

☆ ڈاکٹر صابر سنبھلی

شاعری محض موزوں مصرعوں کے جوڑ توڑ اور ردیف قافیے کے استعمال کا نام نہیں ہے۔ اگر الفاظ کے ایسے اجتماع جس میں ردیف و قوافی تو موجود ہوں مگر تخیل کی کارفرمائی نہ ہو، تک بندی یا برائے نام شاعری تو کہا جا سکتا ہے، اعلیٰ درجے کی شاعری نہیں، تخیل کی بلندی سے کلام میں جو خوبیاں پیدا ہوتی ہیں، وہ ہیں تشبیہات و استعارات، تمام صنائع معنوی، اصلیت، باریک بینی، بلند خیالی، جذبات نگاری، جوش، دقت نظر، زور کلام، فلسفیانہ نکات، طنز، محاکات، مرقع نگاری، منظر نگاری، مطائبات، معاملہ بندی، نزاکت خیال، نکتہ آفرینی وغیرہم۔ ان خوبیوں کی وجہ سے ہی کسی شاعر کی کوشش صحیح معنی میں شاعری بنتی ہے۔

ایسی بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں جن میں باوجود موزونیت کے شویت نہیں پائی جاتی دو مثالیں پیش خدمت ہیں۔

''ہماری شاعری'' مصنفہ سید مسعود حسن رضوی ادیبؔ لکھنوی میں اس کی مثال میں ایک بیت یوں لکھی ہے۔ ؎

ہاتھی کو بڑا کیا بڑا ہے
لٹھے کو کھڑا کیا کھڑا ہے

دونوں مصرعے موزوں ہیں، ردیف اور قافیے موجود ہیں، مگر اس کو شعر وہی کہے گا جو شعر کی ماہیت اور کیفیت سے بے خبر ہو۔ پروفیسر گیان چند جین نے بھی ایسی نام نہاد شاعری کی کچھ مثالیں کسی مضمون میں دی تھیں۔ وہ مضمون تو اس وقت پیش نظر نہیں ہے البتہ مثالاً دی گئی ایک بیت یادداشت میں محفوظ ہے۔ وہ اس طرح ہے ؎

جنت تمہیں دلائے گی اے بی بیو نماز
اللہ سے ملائے گی اے بی بیو نماز

موزونی اور ردیف وقوافی کے ساتھ اس میں اصلیت اور سچائی بھی ہے، کہنے والے نے بڑی اچھی بات کہی ہے۔ اس لئے ان دو مصرعوں میں خلوص کی موجودگی سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ جو کچھ کہا گیا ہے اُس میں سچائی بھی ہے، مگر فن شاعری کا کوئی پارکھ اور ادب کا نقاد اس کو اعلیٰ درجے کا شعر نہیں کہہ سکتا۔ وجہ یہ ہے کہ اس میں تخیل کی کارفرمائی نہیں۔ نماز کی تاکید کا احترام رکھتے ہوئے کوئی مجھ جیسا راسخ العقیدہ اس کو معمولی درجے کا شعر ضرور قرار دے سکتا ہے۔

اردو شاعری کی طویل تاریخ میں ہزارہا شاعر طبع آزمائی کر چکے، لاکھوں بلکہ کروڑوں شعر کہے جاچکے ہوں گے۔ نئے مضامین کا کال ہوگیا ہے۔ بہت سے چُھٹ بھیّے شعراء دوسروں کے پیدا کردہ مضامین کو الفاظ بدل بدل کر نیا روپ دے رہے ہیں۔ اُس کو "شراب کہن در جام نو" تو کہا جاسکتا ہے، مگر اس سے کہنے والے کی طبیعت کی اُپج کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ صاحب آب حیات نے کسی جگہ اس چیز کو چبائے ہوئے نوالے منہ میں پھرائے جانے سے تعبیر کیا ہے اور یہ تعبیر درست ہے۔

نئے مضامین کی تلاش اور ان کے نئے اظہار کے لئے ہی جدید شاعری منصّہ شہود پر جلوہ گر ہوئی اور غزل نے ایسا چولا بدلا کہ اپنے لغوی (حکایت کردن با محبوب) سے کوسوں دور جا پڑی اور جدید غزل تو غم جاناں کے بجائے غم دوراں کی ترجمان بن گئی ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ نعت کا میدان غزل کے مقابلے بہت محدود ہے اس پر شریعت کی قدغن نے اس کو اور بھی محدود کردیا ہے۔ اردو نعت گوئی کی تاریخ بھی لگ بھگ اردو غزل کے قدم بہ قدم چلتی رہی ہے۔ نعت گو شعراء کی بھی کمی نہیں رہی۔ اس لئے اس میں چند مضامین کی تکرار بہت نظر آتی ہے۔ حصول ثواب کے لئے یہ بھی کارآمد ہے مگر ایک فن کا پارکھ چاہتا ہے کہ قدیم کے ساتھ کچھ جدید بھی ہو۔ مضامین نہ سہی اُن کے بیان کرنے کا انداز ہی اپنے اندر نیا پن رکھتا ہو۔ لیکن کہنے والوں کے سامنے بھی مشکل یہ ہے کہ نئے مضامین کہاں سے لائیں۔ چودھویں صدی کے مجدِدِ دین نے جب دین کے پژمردہ چہرے کو رونق اور شادابی دی تو اس نے نعت کو بھی نو بہ نو مضامین اور بدلا ہوا اسلوب دے کر نیا رنگ اور نیا مزاج دے دیا۔ اس اجمال کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

شاعری میں نعت گوئی کی روایت سرکارِ ابد قرار ﷺ کی حیات ظاہری سے ہی ملتی ہے۔ اس سلسلے میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا نام نامی مشہور ومعروف ہے، اُس زمانے میں نعت کے مضامین کون کون سے تھے یہ تو تحقیق کا موضوع ہے، مگر اتنا کہا جاسکتا ہے کہ جیسے جیسے نعت گوئی کا

کارواں آگے بڑھتا رہا اُس میں نو بہ نو مضامین شامل ہوتے رہے۔

عربی سے فارسی میں آتے آتے بہت سے نئے مضامین نعت کا جُز بن گئے اور فارسی میں مضامین نعت نے بہت ترقی کی۔ اگر چہ اردو نعت گوئی کی ابتدا بڑے سپاٹ انداز میں ہوئی، مگر پھر فارسی کے مضامین اُردو میں شامل ہونے لگے اور بعض طباع نعت گویوں نے نئے مضامین بھی پیدا کئے، جو اپنے زمانے میں بہت مقبول رہے ہوں گے مگر اب بار بار کی تکرار سے فرسودہ معلوم ہوتے ہیں۔ اگر چہ بعض شعراء اب بھی اُن کو نظم کرتے ہیں۔

سرکارِ دو جہاں ﷺ کا حسین و جمیل سراپا، اُن کی حق گوئی، اُن کے اخلاق کریمانہ، اُن کی سادگی، سخاوت، داد و دہش اُن کے روضے کے دیدار کی تمنا، روزِ حشر شفاعت کی آرزو، طلب استعانت ودستگیری، معجزات، تصرفات، معمولاتِ شب وروز اور ان جیسے بہت سے مضامین سے اُردو کی روایتی نعت مالا مال ہے۔ جن شعراء نے نعت پر زیادہ توجہ دی انہوں نے اگر چہ انہیں موضوعات کا سہارا لیا مگر بات کہنے کے ڈھنگ نے مضمون کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا اور قاری یا سامع کو ایسا معلوم ہوا جیسے وہ جو پڑھ یا سن رہا ہے وہ نیا مضمون ہے۔

شاعری کے اسی فن میں مضمون آفرینی کا راز پنہاں ہے۔ ندرت بیان، نادرہ کاری، تازہ کاری، جدت ادا اور لطافت معنی بھی اس کی مختلف شکلیں ہیں یا تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ بدلے ہوئے نام ہیں۔

چودھویں صدی ہجری میں برصغیر کے چند نامور نعت گو شعراء اتر پردیش میں ہی ہوئے۔ ان میں امام احمد رضا فاضل بریلوی استاذِ زمن مولانا حسن رضا خاں صاحب حسنؔ بریلوی، مولانا محسنؔ کاکوروی، مولانا ضیاءؔ القادری بدایونی، حافظؔ پیلی بھیتی کے نام خاص طور سے ذکر کے قابل ہیں۔ ان نعت گو شعراء میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کا مقام سب سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ ان صفحات میں اسی عظیم ہستی کی نعتوں میں مضامین نو کی نشاندہی مقصود ہے۔ ان صفحات کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ امام موصوف کو مضمون آفرینی میں کیسا ملکہ حاصل تھا۔

عظمت مصطفیٰ ﷺ ایمانی عقیدہ ہے۔ اس کو تسلیم کیے بغیر کوئی مومن تو کجا مسلمان بھی نہیں ہوسکتا چاہے وہ دن رات سجدے کرتا رہے۔ یہ عقیدہ عاشقان نبی کے لئے جانِ ایمان ہے اس عقیدے کی تبلیغ امام احمد رضا کے لئے مشن کا درجہ رکھتی تھی۔ ان کی نثر اور شاعری میں ہر جگہ اس

عقیدے کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔نعت کے درج ذیل اشعار میں عظمت مصطفیٰ ﷺ کے اظہار کے لئے جس طرح مضمون آفرینی کی گئی ہے وہ دیکھتے ہی بنتی ہے ؎

عصائے کلیم اژدہائے غضب تھا
گروں کا سہارا عصائے محمد ﷺ

نام حق پر کرے محبوب دل و جاں قرباں
حق کرے عرش سے تا فرش نثار عارض

سرِ فلک نہ کبھی تابہ آستاں پہنچا
کہ ابتدائے بلندی تھی انتہائے فلک

تنکا بھی ہمارے تو ہلائے نہیں ہلتا
تم چاہو تو ہوجائے ابھی کوہِ محن پھول

نازشیں کرتے ہیں آپس میں ملک
ہیں غلامانِ شہِ ابرار ہم

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

اگرچہ یہ مضمون بعد میں بہت نظم ہوا مگر اس کی اصل یہی شعر ہے ؎

وہی لامکاں کے مکیں ہوئے سر عرش تخت نشیں ہوئے
وہ نبی ہے جس کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

ترا کھائیں تیرے غلاموں سے اُلجھیں
ہیں منکر عجب کھانے غرّا نے والے

سن لیں اعدا میں بگڑنے کا نہیں
وہ سلامت ہیں بنانے والے

تیرے ہی دامن پہ ہر عاصی کی پڑتی ہے نظر
ایک جانِ بے خطا پر دو جہاں کا بار ہے

قرآن کریم میں یہی نام باری تعالیٰ جل سبحانہٗ کے لئے بھی آئے ہیں اور مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کے لئے بھی۔اس کا فائدہ اٹھا کر کیا مضمون پیدا کیا ہے اور اس کو کس انداز میں ادا کیا ہے داد دیتے ہی بنتی ہے ؎

عرش پہ جاکے مرغ عقل تھک کے گرا غش آ گیا
اور ابھی منزلوں پرے پہلا ہی آستان ہے
وہ تو نہایت سستا سودا بیچ رہے ہیں جنت کا
ہم مفلس کیا مول چکائیں اپنا ہاتھ ہی خالی ہے
وہ نامی کہ نام خدا نام تیرا
رؤف و رحیم و علیم و علی ہے

حدیث قدسی کے مضمون لولاک لماخلقت الافلاک کی بڑے عجیب انداز میں ترجمانی کی گئی ہے ؎

ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منیٰ
لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

سرکار دو عالم ﷺ کی داد و دہش، عطا و سخا کے بارے میں مختلف اسالیب میں بہت کچھ کہا گیا ہے مگر امام احمد رضا نے اس مضمون میں بھی جدت پیدا کر دی۔فرماتے ہیں۔ ؎

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرّہ تیرا
اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں
اب تو نہ روک اے غنی عادت سگ بگڑ گئی
میرے کریم پہلے ہی لقمۂ تر کھلائے کیوں
میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیئے ہیں دُربے بہا دیئے ہیں

دینے والا ہے سچا ہمارا نبی ﷺ
کون دیتا ہے دینے کو منھ چاہیے

سرکارِ دوعالم ﷺ کے جسم پاک ولطیف کا سایہ نہ تھا بعض نعت گویوں کے کلام میں کچھ اس طرح کا مضمون سننے کو ملتا ہے کہ ''اگر چہ آپ کے جسم کا سایہ نہیں تھا مگر آپ کا سایہ تمام امت کے سروں پر ہے''۔ یہاں دوسرے سائے سے مراد سرکار کی سرپرستی ہے۔ گو کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مضمون جدید دور کی پیداوار ہے مگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کو بھی (شاید) سب سے پہلے امام احمد رضا نے ہی باندھا تھا۔ حدائق بخشش میں سرکار کے جسم بے سایہ سے متعلق یہ مضمون اس طرح نظم ہوا ہے ؎

جلتی تھی زمیں کیسی تھی دھوپ کڑی کیسی
لو وہ قدِ بے سایہ اب سایہ کناں آیا

جسم بے سایہ کے بارے میں فرماتے ہیں ؎

مہر کس منھ سے جلوداری جاناں کرتا
سایہ کے نام سے بیزار ہے یکتائی دوست

راہ نبی میں کیا کمی فرش بیاض دیدہ کی
چادر ظل ہے ملگجی زیر قدم بچھائے کیوں

ہر سچے نعت گو بلکہ ہر عاشق رسول کے نزدیک شہر رسول ﷺ کی الفت اور چاہت جزوِ ایمان وباعث راحت جان ہے۔ امام احمد رضا کوئے حبیب کی اُلفت میں شرابور ہیں ان کے منظوم جذبات کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔ صرف وہی اشعار درج کئے گئے ہیں جن میں مضامین نو باندھے گئے ہیں۔ ؎

چمن طیبہ ہے وہ باغ کہ مرغ سدرہ
برسوں چہکے ہیں جہاں بلبل شیدا ہوکر

نام مدینہ لے دیا چلنے لگی نسیم خلد
سوزش غم کو ہم نے بھی کیسی ہوا بتائی کیوں

حور جناں ستم کیا طیبہ نظر میں پھر گیا
چھیڑ کے پردۂ حجاز دیس کی چیز گائی کیوں

ان کی حرم کے خار کشیدہ ہیں کس لئے
آنکھوں میں آئیں سر پہ رہیں دل میں گھر کریں

جو ترے در سے یار پھرتے ہیں
در بدر یوں ہی خوار پھرتے ہیں

پھول کیا دیکھوں میری آنکھوں میں
دشت طیبہ کے خار پھرتے ہیں

چمن طیبہ میں سنبل جو سنوارے گیسو
حور بڑھ کر شکنِ ناز پہ وارے گیسو

کاش آویزۂ قندیل مدینہ ہو وہ دل
جس کی سوزش نے کیا رشک چراغاں ہم کو

خوف ہے سمع خراشی سگ طیبہ کا
ورنہ کیا یاد نہیں نالۂ و افغاں ہم کو

خار صحرائے مدینہ نہ نکل جائے کہیں
وحشتِ دل نہ پھرا کوہ و بیاباں ہم کو

اے خار طیبہ دیکھ کہ دامن نہ بھیگ جائے
یوں دل میں آکہ دیدۂ تر کو خبر نہ ہو

پارۂ دل بھی نہ نکلا دل سے تحفے میں رضاؔ
ان سگانِ کُو سے اتنی جان پیاری واہ واہ

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سرکا موقع ہے اوجانے والے

مدینہ کے خطے خدا تجھ کو رکھے
غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے

جیتے کیا دیکھ کے ہیں اے حورو!
طیبہ سے خلد میں آنے والے

اسی در پر تڑپتے ہیں مچلتے ہیں بلکتے ہیں
اُٹھا جاتا نہیں کیا خوب اپنی ناتوانی ہے
ہر اِک دیوار ودر پر مہرنے کی ہے جبیں سائی
نگار مسجد اقدس میں کب سونے کا پانی ہے
جہاں کی خاک روبی نے چمن آرا کیا تجھ کو
صبا ہم نے بھی ان گلیوں کی کچھ دن خاک چھانی ہے

یہ پیاری پیاری کیاری ترے خانہ باغ کی
سرد اس کی آب و تاب سے آتش سقر کی ہے
جنت میں آکے نار میں جاتا نہیں کوئی
شکر خدا نوید نجات و ظفر کی ہے

ان دونوں قطعہ بند شعروں میں احادیث کریمہ کی روشنی میں جو نیا مضمون پیدا کیا ہے وہ اور کسی نعت گو کو نہیں سوجھا، نازک خیالی کی انتہا ہے ؎

آغوش شوق کھولے ہے جن کے لئے حطیم
وہ پھر کے دیکھتے نہیں یہ دھن کدھر کی ہے
ہاں ہاں رہِ مدینہ ہے غافل ذرا تو جاگ
او پاؤں رکھنے والے یہ جاچشم وسر کی ہے
کعبہ دلھن ہے تربت اطہر نئی دلھن
یہ رشک آفتاب وہ غیرت قمر کی ہے
دونوں بنیں سجیلی انیلی بنی مگر
جو پی کے پاس ہے وہ سہاگن کنور کی ہے

بیت اللہ اور روضہ انور کے غلافوں کے الگ الگ رنگ ہونے سے کیا مضمون پیدا کیا ہے سبحان اللہ ؎

سر سبز وصل یہ ہے سیہ پوش ہجر وہ
چمکی دوپٹوں سے ہے جو حالت جگر کی ہے

مدینہ کی محبت اس ملک کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے جس ملک میں یہ واقع ہے۔ ملاحظہ ہوں چند اشعار۔(صرف وہی اشعار نقل کئے جا رہے ہیں جن میں مضمون آفرینی کمال پر ہے) ؎

تاب مرآت سحر گردِ بیابان عرب
غازۂ روئے قمر دود چراغان عرب
تشنۂ نہر جناں ہر عربی و عجمی
لب ہر نہر جناں تشنۂ نیسان عرب
عندلیبی پہ جھگڑتے ہیں کٹے مرتے ہیں
گل و بلبل کو لڑاتا ہے گلستا ن عرب
چرچے ہوتے ہیں یہ کمہلائے ہوئے پھولوں میں
کیوں یہ دن دیکھتے پاتے جو بیابان عرب
ہشت خلد آئیں وہاں کسبِ لطافت کو رضاؔ
چار دن برسے جہاں ابر بہار ان عرب

سید البشر خاتم النبیین حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ اعلیٰ اخلاق، بے مثال حُسن سیرت کے ساتھ ساتھ حسن صورت میں بھی لاثانی تھے۔ ان جیسا حسین نہ ان سے پہلے کوئی ہوا اور نہ ان کے بعد، حضرت رسالت مآب ﷺ کی اس صفت کو نعت کے تقریباً سبھی شعراء نے اپنے اشعار میں جگہ دی ہے۔ صدیوں کی تکرار کے باعث یہ مضامین فرسودہ ہو گئے تھے اس لئے بعض مادّیت پرست ایسے اشعار کو سن کر ناک بھوں چڑھانے لگے تھے۔ امام احمد رضا نے حضرت ختمی مرتبت کے حسن صورت کے بیان میں بہت سے اشعار کہے مگر کسی کو مضامین کی فرسودگی کا شکوہ نہ ہوا۔ اس لئے کہ اس باب میں نئے نئے نکات بیان کر کے مضمون آفرینی کا حق ادا کر دیا۔ ایسے کچھ اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں ؎

طرفہ عالم ہے وہ قرآن اِدھر دیکھیں اُدھر
مصحف پاک ہو حیران بہار عارض
کیا ٹھیک ہو رخ نبوی پر مثال گل
پامال جلوۂ کف پا ہے جمال گل
دب کے زیر پا نہ گنجایش سمانے کو رہی
بن گیا جلوہ کف پا کا ابھر کر ایڑیاں
وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں
دیکھو قرآں میں شب قدر ہے تا مطلع فجر
یعنی نزدیک ہیں عارض کے وہ پیارے گیسو
عرش جس خوبی رفتار کا پامال ہوا
دو قدم چل کے دکھا سرو خراماں ہم کو
بزم ثنائے زلف میں میری عروس فکر کو
ساری بہار ہشت خلد چھوٹا سا عطر دان ہے
پیش نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بے قرار
روکیے سر کو روکیے ہاں یہی امتحان ہے
شانِ خدا نہ ساتھ دے ان کے خرام کا وہ باز
سدرہ سے تا زمیں جسے نرم سی اک اڑان ہے
وہ گل ہیں لب ہائے نازک ان کے ہزاروں جھڑتے ہیں پھول جن سے
گلاب گلشن میں دیکھے بلبل یہ دیکھ گلشن گلاب میں ہے
نقاب الٹے وہ مہرانور جلال رخسار گرمیوں پر
فلک کو ہیبت سے تپ چڑھی تھی تپکتے انجم کے آبلے تھے

وہ ظلِ رحمت وہ رخ کے جلوے کہ تارے چھپتے نہ کھلنے پاتے
سنہری زر بفت اودی اطلس یہ تھان سب دھوپ چھاؤں کے تھے

شب لحیہ و شارب ہے رخ روشن دن
گیسو و شب قدر و برات مومن
مژگاں کی صفیں چارہیں دو ابرو ہیں
والفجر کے پہلو میں لیالٍ عشرٍ

تخیل کی بلند پروازی بھی کسی کلام کو بہترین شعر بنا سکتی ہے اسلئے شاعری کے لئے یہ قوت ازبس ضروری ہے ورنہ شاعری تک بندی بن کر رہ جاتی ہے۔اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مضمون آفرینی قوت متخیلہ کا ہی جز ہے،مگر نعت میں اس کے استعمال میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔غزل کی طرح نعت میں ہر جگہ اور ہر موقع پر اس کا استعمال نہیں ہوسکتا۔امام احمد رضا کو قصیدۂ معراجیہ میں اس کے اظہار کا موقع مل گیا اس لئے اس قصیدے میں نو بہ نو مضامین کے انبار نظر آتے ہیں۔چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

نئی دلھن کی پھبن میں کعبہ نکھر کے سنورا سنور کے نکھرا
حجر کے صدقے کمر کے اِک تل میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے

یہ جھوما میزاب زر کا جھومر کہ آرہا کان پر ڈھلک کر
پھوہار برسی تو موتی جھڑ کر حطیم کی گود میں بھرے تھے

دولھن کی خوشبو سے مست کپڑے نسیم گستاخ آنچلوں سے
غلاف مشکیں جو اڑ رہا تھا غزال نافے بسا رہے تھے

یہ جوششِ نور کا اثر تھا کہ آب گوہر کمر کمر تھا
صفائے رہ سے پھسل پھسل کر ستارے قدموں پہ لوٹتے تھے

بڑھا یہ لہرا کے بحر وحدت کہ دھل گیا نام ریگ کثرت
فلک کے ٹیلوں کی کیا حقیقت یہ عرش و کرسی دو بلبلے تھے

چلا وہ سروِ چماں خراماں نہ رک سکا سدرہ سے بھی داماں
پلک جھپکتی رہی وہ کب کے سب این و آں سے گزر چکے تھے

جھلک سی اک قدسیوں پر آئی ہوا بھی دامن کی پھر نہ پائی
سواری دولھا کی دور پہنچی برات میں ہوش ہی گئے تھے
تھکے تھے روح الامیں کے بازو چھٹا وہ دامن کہاں وہ پہلو
رکاب چھوٹی امید ٹوٹی نگاہ حسرت کے ولولے تھے
روش کی گرمی کو جس نے سوچا دماغ سے اک بھبو کا پھوٹا
خرد کے جنگل میں پھو ل چمکا دہر دہر پیڑ جل رہے تھے
جلو میں جو مرغ عقل اڑے تھے عجب برے حالوں گرتے پڑتے
وہ سدرہ ہی پر رہے تھے تھک کر چڑھا تھا دم تیور آ گئے تھے
قوی تھے مرغان وہم کے پر اڑے تو اڑنے کو اور دم بھر
اٹھائی سینے کی ایسی ٹھوکر کہ خون اندیشہ تھوکتے تھے
وہ باغ کچھ ایسا رنگ لایا کہ غنچہ و گل کا فرق اٹھایا
گرہ میں کلیوں کے باغ پھولے گلوں کے تکمے لگے ہوئے تھے

آنسوؤں کی تاثیر مسلم ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ ہمارے مہربان آقا ہم عاصیوں کے لئے بہت رویا کرتے تھے۔اس مضمون کو امام احمد رضا نے جس انداز سے بیان کیا ہے اس سے ان کی طباعی کے اعتراف کے بغیر چارہ نہیں رہتا۔صرف دو شعر ملاحظہ ہوں ۔

اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا
رو رو کے مصطفیٰ نے دریا بہا دیئے ہیں
اوس مہر حشر پر پڑ جائے پیا سو تو سہی
اس گل خنداں کا رونا گریۂ شبنم نہیں

الگ الگ موضوعات پر اشعار کے مجموعے ملاحظہ فرمانے کے بعد اب ایک ایک شعر میں شاعر کی کاری گری ملاحظہ فرمایئے اور دیکھیے کہ امام احمد رضا جہاں تک مضمون آفرینی کا سوال ہے نعتیہ شاعری میں بھی کسی غزل گو سے پیچھے نہیں تھے۔ہمارے آقا سرکار دو عالم ﷺ گناہ گاروں کے پردہ پوش ہیں اس کو یوں نظم کیا ہے ؎

چور حاکم سے چھپا کرتے ہیں یاں اس کے خلاف
تیرے دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا
مرنے والوں کو یہاں ملتی ہے عمر جاوید
زندہ چھوڑے گی کسی کو نہ مسیحائی دوست
گوش شہ کہتے ہیں فریاد رسی کو ہم ہیں
وعدۂ چشم ہے بخشائیں گے گویا ہوکر

مدینہ منورہ اور روضۂ اطہر یہاں سے دور تو ہیں ہی راہ میں ایسی بہت سی رکاوٹیں بھی حائل ہیں جن کے ہوتے نگاہوں کا وہاں پہنچنا ممکن نہیں۔ نیا تخیل اور نیا مضمون ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

مد د اے جوشش گریہ بہادے کوہ اور صحرا
نظر آجائے جلوہ بے حجاب اس پاک تربت کا

گیسوئے آقائے دوجہاں کے ذکر کو عین ذکر حق مانتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں ؎

یاد گیسو ذکر حق ہے آہ کر
دل میں پیدا لام ہو ہی جائے گا

زلف کو "لام" سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ گیسوئے سرکار ﷺ کی یاد میں آہ کرنے سے یہ "لام" آہ کے "الف" اور "ہا" کے مابین داخل ہوجائے گا تو لفظ "آہ" "اللہ" سے بدل جائے گا اور اللہ رب العزت کا ذکر بلاشبہہ ذکر حق ہے۔ نازک خیالی اور مضمون آفرینی کی انتہا ہے۔

"مرنا" زندگی ختم ہونے کو بھی کہتے ہیں اور عاشقوں کی زبان میں دلی محبت کو بھی۔ عشق میں مرنے کے مضمون کو کس اچھوتے انوکھے اور نئے انداز میں پیش فرمایا ہے۔ پڑھیے اور داد دیجئے۔

ایک اور نیا مضمون ؎

مرنے والوں کو یہاں ملتی ہے عمرِ جاوید
زندہ چھوڑے گی کسی کو نہ مسیحاؒ دوست

اب بغیر کسی تبصرے کے کچھ اور اشعار ملاحظہ فرمایئے، جن میں مضمون آفرینی کا جوہر پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر نظر آتا ہے ؎

اگرچہ چھالے ستاروں سے پڑ گئے لاکھوں
مگر تمہاری طلب میں تھکے نہ پائے فلک
تمہاری یاد میں گزری تھی جاگتے شب بھر
چلی نسیم ہوئے بند دید ہائے فلک
عبرت فزا ہے شرم گنہ سے مراسکوت
گویا لب خموش لحد کا جواب ہوں
شاہا بجھے سقر مرے اشکوں سے تانہ میں
آب عبث چکیدۂ چشم کباب ہوں
میں نے کہا کہ جلوۂ اصل میں کس طرح گمیں
صبح نے نور مہر میں مٹ کر دکھادیا کہ یوں
دل کو دے نور و داغ عشق پھر میں فدا دو نیم کر
مانا ہے سن کے شق ماہ آنکھوں سے اب دکھا کہ یوں
دل کو ہے فکر کس طرح مردے جلاتے ہیں حضور
اے میں فدا لگا کر ایک ٹھوکرا سے بتا کہ یوں
غفلت شیخ و شاب پر ہنستے ہیں طفل شیرخوار
کرنے کو گدگدی عبث آنے لگی بہائی کیوں
رکھیے جیسے ہیں خانہ زاد ہیں ہم
مول کے عیب دار پھر تے ہیں
تجھ ساسیاہ کار کون ان ساشفیع ہے کہاں
پھروہ تجھی کو بھول جائیں دل یہ ترا گمان ہے
بارجلال اٹھالیا گرچہ کلیجہ شق ہوا
یوں تو یہ ماہ سبز رنگ نظروں میں دھان پان ہے

جلی جلی بو سے اس کی پیدا ہے سوزش عشق چشم والا
کباب آہو میں بھی نہ پایا مزہ جو دل کے کباب میں ہے

اے عشق ترے صدقے جلنے سے چھٹے سستے
جو آگ بجھادے گی وہ آگ لگائی ہے

منگتا کا ہاتھ اٹھتے ہی داتا کی دین تھی
دوری قبول و عرض میں بس ہاتھ بھر کی ہے

ان مثالوں سے نعتیہ شاعری میں امام احمد رضا کی مضمون آفرینی کا کافی ثبوت بہم ہوجا تا ہے۔ واضح ہو کہ طوالت مضمون کے خوف سے یہ مثالیں صرف حدائق بخشش کے حصہ اول سے اخذ کی گئی ہیں اور کوشش کی گئی ہے کہ کسی شعر کی تکرار نہ ہو ورنہ بعض اشعار ان میں ایسے بھی ہیں جو ایک سے زیادہ عنوانات کے تحت آسکتے تھے (اگر کہیں کوئی شعر مکرر آ گیا ہو تو وہ بہ سبب سہو ہوگا، جس کے لئے معذرت خواہ ہوں) مگر اشعار کی تکرار کی جاتی تو مضمون ضرور طویل ہوجاتا۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ مضمون آفرینی کی یہ فراوانی اس شخص کے کلام میں ہے جس کا نہ پیشہ شاعری تھا اور نہ جس کو علمی کاموں کے ہجوم کے باعث شعر گوئی کے واسطے اتنا وقت ملتا تھا جتنا کہ چاہیے تھا۔ جب کہ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ شاعری بے کاری کا مشغلہ ہے۔

اشعار رضا میں دولہا دلہن لفظوں کا استعمال

☆ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

امام احمد رضا کے متعدد اشعار میں دولہا، دلہن لفظوں کا استعمال ہوا ہے جیسے:۔

(۱) نئی دلہن کی پھبن میں کعبہ نکھر کے سنورا سنور کے نکھرا
حجر کے صدقے کمر کے اک تل میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے

(۲) نظر میں دولہا کے پیارے جلوے حیا سے محراب سر جھکائے
سیاہ پردے کے منھ پر آنچل تجلیِ ذات بحت کے تھے

(۳) دلہن کی خوشبو سے مست کپڑے نسیم گستاخ آنچلوں سے
غلاف مشکیں جو اُڑ رہا تھا غزال نافے بسا رہے تھے

(۴) خدا ہی دے صبر جان پر غم دکھاؤں کیوں کر تجھے وہ عالم
جب ان کو جھرمٹ میں لیکے قدسی جناں کا دولہا بنا رہے تھے

(۵) بچا جو تلووں کا ان کے دھوون بناوہ جنت کا رنگ وروغن
جنھوں نے دولہا کی پائی اترن وہ پھول گلزار نور کے تھے

(۶) جھلک سی اک قدسیوں پہ آئی ہوا بھی دامن کی پھر نہ پائی
سواری دولہا کی دور پہنچی برات میں ہوش ہی گئے تھے

۷ کعبہ ہے بیشک انجمن آرا دلہن مگر ساری بہار دلہنوں میں دولہا کے گھر کی ہے
۸ کعبہ دلہن ہے تربت اطہر نئی دلہن یہ رشک آفتاب وہ غیرت قمر کی ہے
۹ دونوں بنیں سجیلی انیلی بنی مگر جو پی کے پاس ہے وہ سُہاگن کنور کی ہے
۱۰ دولھا سے اتنا کہہ دو پیارے سواری روکو مشکل میں ہیں براتی پر خار بادیے ہیں

۱۱ اپنے مولیٰ کا پیارا ہمارا نبی دونوں عالم کا دولہا ہمارا نبی

۱۲ شب اسریٰ کے دولہا پہ دائم درود نوشہِ بزم جنت پہ لاکھوں سلام

۱۳ اللہ کی سلطنت کا دولہا نقش تمثال مصطفائی

اشعار نمبر ۱ رتا نمبر ۶ ر امام احمد رضا کے قصیدۂ معراجیہ میں شامل۔ ان اشعار کی بابت حیاتِ رضاؔ ہی میں مورخہ ۹ ر شعبان ۱۳۳۴ھ۔ گڑھی اختیار خاں تحصیل خانپورہ ریاست بھاولپور سے مسمی محمد یار صاحب واعظ نے استفتاء کیا تھا کہ یہ اشعار معاذ اللہ! اللہ جل وعلا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں ہیں اور ان کے حق میں ان الفاظ کا استعمال کرنا موجب کفر ہے۔ ایسا کچھ معترضین اعلان کرتے پھر رہے ہیں۔

امام احمد رضا نے اس کا جو جواب دیا تھا وہ ان کے مجموعہ فتاویٰ ''فتاویٰ رضویہ جلد ششم'' میں شامل ہے۔ یہاں اس جواب کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے۔

(الفاظ امام احمد رضا ہی کے ہیں البتہ کہیں کہیں طویل عبارات حدیث کا ترجمہ یا خلاصہ جیسا کہ امام احمد رضا نے لکھا ہے ہی پیش کیا جارہا ہے اور طوالت کے باعث عبارات نقل نہیں کئے جارہے ہیں۔)

جواب:۔ امام احمد رضاؔ تحریر کرتے ہیں:

''قصیدہ مذکور میں دو جگہ دلہن کا لفظ ہے اور چار جگہ دولہا کا۔ ان میں کون سی جگہ معاذ اللہ! اللہ عزوجل کو دولہا یا دلہن کہا گیا ہے......

شعر اوّل میں تو دلہن کسی کو نہ کہا، زینت کعبہ کو نئی دلہن سے تشبیہ دی ہے جس طرح ان حدیثوں میں جنت کی جنبش سرور کو دلہن کی نازش سے خطیب نے تاریخ بغداد میں عقبہ بن عامر جہنی اور طبرانی نے معجم اوسط میں عقبہ اور انس دونوں اور ازدی نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب جنت کو دونوں شہزادوں امام حسن و امام حسین علی جدہما الکریم و علیہما الصلوٰۃ والتسلیم کا اس میں تشریف رکھنا معلوم ہوا: **ماست الجنۃ میسا کما تمیس العروس** جنت خوشی سے جھومنے لگی جیسے نئی دلہن فرحت سے جھومے۔ شعر سوم میں کعبہ معظّمہ کو دلہن کہنا اور مکان آراستہ کو دلہن کہنا محاورۂ صحیحہ شائعہ ہے۔

امام احمد مسند میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں : **عسقلان احدی العروسین یبعث منها یوم القیمة سبعون الفابغیر حساب علیهم** عسقلان (ایک مقام ہے) دو دلہنوں میں کی ایک ہے، روز قیامت اس میں سے ستّر ہزار ایسے اٹھیں گے جن پر حساب نہیں ۔ مسند الفردوس میں عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **طوبی لمن اسکنه اللّٰه تعالیٰ احدی العروسین عسقلان او غزة** شادمانی ہے اسے جسے اللہ تعالیٰ دو دلہنوں میں سے ایک میں بسائے عسقلان یا غزہ (دونوں الگ الگ جگہیں ہیں) باقی چار اشعار میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دولہا کہا ہے اور وہ بیشک تمام سلطنت الٰہی کے دولہا ہیں، امام احمد قسطلانی مواہب لدنیہ شریف میں نقل فرماتے ہیں : **هو صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم رأی صورة ذاته المبارکة فی الملکوت فاذاهو عروس المملکة** نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب معراج عالم ملکوت میں اپنی ذات مبارک کی تصویر ملاحظہ فرمائی تو دیکھا کہ حضور تمام سلطنت الٰہی کے دولہا ہیں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ۔ دلائل الخیرات شریف میں ہے: **اللهم صلی علی محمد و علی اله بحر انوارک و معدن اسرارک ولسان حجتک و عروس مملتک** الٰہی درود بھیج محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی آل پر جو تیرے انوار کے دریا اور تیرے اسرار کے معدن اور تیری حجت کی زبان اور تیری سلطنت کے دولہا ہیں ۔ علامہ محمد فارسی اس کی شرح مطالع المسرات میں فرماتے ہیں:

(یہاں عربی عبارت کا وہ خلاصہ لکھا جا رہا ہے جو امام احمد رضا نے خود لکھا ہے یعنی تلخیص کی ہے)......

''اس عبارت صراپا بشارت کا خلاصہ یہ ہے کہ امام محمد بن سلیمان جزولی قدس سرہ الشریف نے اس درود مبارک میں سلطنت کو برات کے مجمع سے تشبیہ دی کہ اس میں ایک اجتماع ہوتا ہے اور اس کی آرائش انتہا کو پہنچائی جاتی ہیں، سب کام قرینے سے

ہوتے ہیں، ہر چیز نئی اور خوش آئند لوگ اپنے دولہا پر شاد و فرحاں اسے چاہنے والے ،اس کی تعظیم واطاعت میں مصروف، اس کے ساتھ قسم قسم کی من مانتی نعمتیں پاتے ہوئے اور عادت یوں ہے کہ برات کے مجمع کو سلطنت اور دولہا کو بادشاہ سے تشبیہ دیتے ہیں، یہاں اس کا عکس کیا کہ سمجھا جائے کہ جس طرح برات کے مجمع کا معزو سبب دولہا ہوتا ہے، یو ہیں تمام مملکت الٰہی کے وجود کا سبب اور اس کے اصلی راز و مغز و معنی صرف مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں ع

دولہا کے دم کے ساتھ یہ ساری برات ہے

اس لئے کہ حضور تمام ملک وملکوت پر اللہ عزوجل کے نائب مطلق ہیں جن کو رب عزوجل نے اپنے اسماو صفات کے اسرار کا خلعت پہنایا اور ہر مفرد و مرکب میں تصرف کا اختیار دیا ہے۔ دولہا بادشاہ کی شان دکھاتا ہے، اس کا حکم برات میں نافذ ہوتا ہے، سب اس کی خدمت کرتے اور اپنے کام چھوڑ کر اس کے کام میں لگے ہوتے ہیں، جس بات کو اس کا جی چاہتا ہے موجود کی جاتی ہے، چین میں ہوتا ہے، سب براتی اس کی خدمت میں اور اس کے طفیل میں کھانا پاتے ہیں، یو ہیں مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم میں بادشاہ حقیقی عزوجل کی شان دکھاتے ہیں، تمام جہان میں ان کا حکم نافذ ہے، سب ان کے خدمت گار وزیر فرمان ہیں، جو وہ چاہتے ہیں اللہ عزوجل موجود کر دیتا ہے کہ:

"اری ربک لیسارع فی ھواک"

صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کرتی ہیں میں حضور کے رب کو دیکھتی ہوں کہ حضور کی خواہش میں شتابی فرماتا ہے، تمام جہاں حضور کے صدقہ میں حضور کا دیا کھاتے ہیں کہ:

"انما انا قاسم و اللّٰہ معطی"

صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ہر

نعمت کا دینے والا اللہ ہے اور بانٹنے والا میں، یوں تشبیہ کامل ہوئی اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام سلطنت الٰہی کے دولہا ٹھہرے......

"والحمدللہ رب العالمین"

ان تقریرات سے واضح ہوا کہ ان معانی پر دلہن دولہا، زوج، زوجہ کی طرح باہم مفہوم متضائف نہیں۔عسقلان وغزہ کو حدیث نے دلہنیں فرمایا۔ دولہا کون ہے؟ بیہقی شعب الا یمان میں امیر المومنین مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند حسن روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"لکل شئی عروس و عروس القران الرحمٰن"

ہر شے کی جنس میں ایک دلہن ہوتی ہے اور قرآن عظیم میں سورۃ الرحمن دلہن ہے۔ یہاں کسے دولہا ٹھہرائیے گا......

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: (عربی سے ترجمہ)"بیشک اللہ عزوجل قیامت کے دن سب دنوں کو ان کی شکل پر اٹھائیگا، اور جمعہ کو چمکتا روشنی دیتا جمعہ پڑھنے والے اس کے گرد جھرمٹ کئے ہوئے جیسے نئی دلہن کو اس کے گرامی شوہر کے یہاں رخصت کر کے لے جاتے ہیں۔امام اجل ابوطالب مکی قوت القلوب اور امام حجۃ الاسلام محمد غزالی احیاء میں فرماتے ہیں: (عربی سے ترجمہ) یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک کعبہ روز قیامت یوں اٹھایا جائیگا جیسے شب زفاف دلہن کو دولہا کی طرف لیجاتے ہیں۔تمام اہلسنت جنھوں نے حج مقبول کیا اس کے پردوں سے لپٹے ہوئے اس کے گرد دوڑتے ہوں گے یہاں تک کہ کعبہ اور اس کے ساتھ یہ سب داخل جنت ہوں گے۔

نہایہ امام ابن الاثیر میں ہے: (عربی سے ترجمہ) یعنی اسی باب سے ہے یہ حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: علی مرتضیٰ میرے اور ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیچ میں جنت کی طرف خوش خوش تیز چلیں گے، یا

میرے اور ان کے بیچ میں انہیں جنت کی طرف یوں لے جائیں گے جیسے نئی دلہن کو دولہا کے یہاں لیجاتے ہیں۔ امام اجل ابن المبارک وابن ابی الدنیا وابو الشیخ اور ابن النجار کی کتاب الدرر الثمینۃ فی تاریخ المدینہ میں کعب احبار سے راوی کہ انہوں نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر پاک تھا اور اس وقت کعب احبار حاضر تھے تو کعب احبار نے کہا ہر صبح ستر ہزار فرشتے اتر کر مزار اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طواف کرتے اور اس کے گرد حاضر رہ کر صلوٰۃ وسلام عرض کرتے رہتے ہیں، جب شام ہوتی ہے وہ چلے جاتے ہیں اور ستر ہزار اور اتر کر یونہیں طواف کرتے اور صلوٰۃ وسلام عرض کرتے رہتے ہیں، یونہیں ستر ہزار رات میں حاضر رہتے ہیں اور ستر ہزار دن میں...... جب حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مزار مبارک سے روز قیامت اٹھیں گے ستر ہزار ملائکہ کے ساتھ باہر تشریف لائیں گے جو حضور کو بارگاہ عزت میں یوں لے چلیں گے جیسے نئی دلہن کو کمال اعزاز و اکرام و فرحت و سرور و راحت و آرام و تزک و احتشام کے ساتھ دولہا کی طرف لے جاتے ہیں۔''

(ملخصاً، امام احمد رضا: فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۱۹۹ تا ص ۲۰۲)

امام احمد رضا نے احادیث کریمہ اور ادبی اعتبار سے ثابت کر دیا کہ دولہا اور دلہن سے مراد زوج و زوجہ نہیں بلکہ دولہا...... سے مراد ہے: معزز، مالک و مختار وغیرہ اور دلہن سے اس مراد کے علاوہ آرائش و زیبائش بھی ہے۔

اب امام احمد رضا کے محولہ اشعار نمبر ۱۰ رنمبر ۱۱ رنمبر ۱۲ رنمبر ۱۳ ر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دولہا کہا گیا ہے، ان کی عظمت و رفعت اور بارگاہ رب العزت میں ان کی قربت و محبوبیت کے طور پر کہا گیا ہے۔ علاوہ ازیں انہیں کونین کے سرور و شافع محشر اور ان کے خصوصی معجزہ اور شرف و امتیاز ''معراج'' کی وجہ سے ان کی عظمت شان کے اظہار کے لئے کہا گیا ہے۔

شعر نمبر ۱۰ میں...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی جانب اشارہ ہے۔

شعر نمبر ۱۱ میں ...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب اکبر کے محبوب اعظم ہونے کی وجہ سے ''دونوں عالم کا

دولہا'' یعنی دونوں عالم کا مختار اور محبوب انس وجاں بتایا گیا ہے۔

شعر نمبر ۱۲ میں ......سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے حصول معراج اور جنت کی سروری کی وجہ سے دولہا کہا گیا ہے۔

شعر نمبر ۱۳ میں......''اللہ کی سلطنت کا دولہا'' کہہ کر انہیں سرور کونین کہا گیا ہے............وغیرہ وغیرہ۔

شعر نمبر ۷ میں......دولہا، دلہن دونوں الفاظ آئے ہیں۔ کعبہ معظّمہ کو اس کی تقدیس وعظمت اور آرائش وزیبائش کی وجہ سے دلہن کہا گیا ہے اور پھر مدینہ امینہ یعنی روضۂ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تقابل کرتے ہوئے اسے دولہا کا گھر کہہ کر اسے کعبہ سے زیادہ پر بہار بتایا ہے اور یہ سچ ہے کہ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے طفیل کعبہ و مدینہ دونوں کو عظمتیں حاصل ہیں۔ ایک شعر میں کیا خوب فرماتے ہیں ؎

لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منیٰ

کعبہ و مدینہ میں دولہا کے گھر کی بہار یعنی مدینہ منورہ کی بہار اس لئے ہے کہ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہیں۔ شعر نمبر ۸، شعر نمبر ۹ کی بابت ''نعت رنگ، کراچی، شمارہ نمبر ۴'' میں ایک پاکستانی پروفیسر نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ ہندی عناصر اور بھگتی شاعری سے مملو ہے اور یہاں الفاظ کی تقدیس برقرار نہیں ہے۔ اس کا جواب تو دے دیا گیا ہے، اس کے بعد بھی انہیں صاحب نے رضاؔ کے ایک مصرع......''میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب'' پر شرعی گرفت کی تھی اس کا بھی مسکت جواب راقم نے دیا تھا جو نعت رنگ میں شائع ہو چکا ہے۔

شعر نمبر ۸ میں......تربت اطہر کو نئی دلہن اس لئے کہا گیا کہ وہ بہت بعد میں منظر پر آیا۔ اس شعر میں دونوں کی عظمت وتقدیس اور جمال کی توصیف کی گئی ہے۔

شعر نمبر ۹ میں......دونوں کو سجیلی انیلی کہا ہے مگر مدینہ (روضہ اطہر) کو فضیلت اس لئے دی ہے کہ اس میں حضور جلوہ فرما ہیں۔ ''جسے پیا چاہے سہاگن وہی ہے'' کہاوت مشہور ہے لہٰذا مدینہ کو کنور کی سہاگن اسلئے کہا کہ یہ سرکار کی جلوہ گاہ ہے ان اشعار میں نہ کوئی شرعی خامی ہے نہ ادبی۔ لفظوں کی تقدیس برقرار ہے۔

تبصرہ: دولہا، دلہن کے تعلق سے ہماری زبان میں محاورات اور ضرب الامثال بھی رائج ہیں۔ جیسے

''دولہا بنے بیٹھے رہنا'' معزز ہونا، کوئی کام نہ کرنا (فیروز اللغات)

کسی محفل کے صدر، زینت، رونق بزم، کسی جماعت کے لیڈر وغیرہ کو دولہا کہہ دیتے ہیں جیسے وہ اس محفل کے دولہا ہیں۔ کہاوت ہے ''دولہا کے بغیر باراتیوں کا کیا کام'' یعنی اگر جماعت کا لیڈر یا ٹیم کا کپتان نہ ہو تو ارکان جماعت یا ٹیم کے کھلاڑیوں کی اہمیت کیا اور کیا ان کی ضرورت۔ بنے سنورے انسان کو بھی دولہا کہا جاتا ہے۔ ایسے ہی سجی سنوری عورت کو دلہن۔ اور بھی مثالیں ہیں۔

ہمارے ملک میں ''بمبئی'' کو عروس البلاد کہا جاتا ہے تو کیا بمبئی سارے شہروں کی دلہن بمعنی زوجہ اور سارے شہر اس کے دولہا یعنی شوہر ہو گئے۔ ایسا تو شہر کی خوب صورتی، آرائش وزیبائش اور رونق کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔

امام احمد رضا کے کلام میں دولہا، دلہن لفظوں کا استعمال احادیث کریمہ کی روشنی میں ہوا ہے۔ علاوہ اس کے آپ نے ان لفظوں کو برت کر کلام میں ادبی حسن پیدا کیا ہے اور محاورات وضرب الامثال کو برت کر الفاظ دولہا، دلہن کو نیا پن عطا کیا ہے۔

☆☆☆

کلام رضا میں
حسن و جمال مصطفوی کے نرالے تذکرے

☆مولانا غلام مصطفیٰ قادری رضوی، باسنی

الحمدللہ الذی و کفی و سلام علی حبیبہ الذین اصطفیٰ

معدن خصائص کاملہ، ربیع فصل دوراں، کاشف سر مکنون، خازن علم مخزون، امام جماعت انبیاء، سرور بنی آدم، روح روان عالم، تاجدار دو عالم، سید جہاں، رسول کونین رحمۃ للعالمین اروا حنا فداہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کو خالق کائنات جل مجدہٗ نے جن فضائل و کمالات سے مالا مال فرمایا ہے وہ ذہن انسانی سے بہت بلند ہیں......جن کو بیان کرنے کے لیے چودہ سو برس سے عشاقان باکمال کتابیں لکھتے رہے......دنیا کے کسی نبی، مصلح فاتح اور سلطان کے بارے میں اتنی کتابیں نہیں لکھی گئیں جتنی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک خوبی اور ادا پر لکھی گئیں بے شمار اعلیٰ پایہ کے لوگوں نے حضور کریم کے ذکر پاک کو بلند کرنے کے لیے جس طرح اپنی زندگیاں، اپنی علمی قوتیں، روحانی لطافتیں اپنا مال اور اپنے وسائل وقف کئے ہیں کسی دوسرے کے بارے میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا عشاقانِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے نثر و نظم میں انسانیت کو جو پاکیزہ ادب عطا فرمایا ہے اس کی نظیر بھی نہیں ملتی......

کس کس خوبی کو بیان کیا جائے، کس پہلو کو تحریر کے احاطے میں لایا جائے، کس فضیلت پر خامہ فرسائی کی جائے، وہ خوبی میں اپنی مثال آپ ہیں......قلم کی سیاہی جواب دے سکتی ہے......کاغذ و قرطاس ہاتھ جوڑنے لگ جائیں گے مگر کمالات مصطفوی کو کما حقہ بیان نہیں کیا جاسکتا...... بڑے بڑے عشاق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کمالات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کرتے کرتے جب تھک گئے تو انہیں بھی یہی عرض کرنا پڑا۔

لایمکن الثناء کما کان حقہ
بعداز خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

مگر آیئے ثنا خوانان خواجۂ اعظم علیہ التحیۃ والثناء کی فہرست میں اپنا نام درج کروانے کی نیت سے کمالات و خصائص رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ممتاز اور بے مثال وصف و کمال یعنی ''حسن و

جمال“ کے بارے میں کچھ خامہ فرسائی کی جائے......اوراس وصف بے مثال کے تذکرے بھی عقیدت مند حضرات نے تفصیل کے ساتھ کئے ہیں کہ کتابیں ہی کتابیں حسن مصطفوی کی رعنائیوں سے بھری ہوئی ہیں......اور کیوں نہ ہو کہ خالق حسن و جمال نے اس عظیم المرتبت پیغمبر اعظم محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حسن کامل کا مظہر بنایا۔ باطنی کمالات ودرجات کے ساتھ ساتھ حسن ظاہری میں بھی آپ بے مثل و مثال ہی نظر آئے...... ہر حسین کا حسن و جمال آپ کے در کی خیرات ہے......حسن و جمال جہاں آراء کو کون صحیح معنی میں بیان کرسکتا ہے جب کہ اس محبوب اعظم کا رب یوں بیان فرماتا ہے......

والضحیٰ والليلِ اِذَا سَجیٰ o

قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت ملاحظہ فرمایئے اور اس پر مفسرین کرام نے عشق و محبت کے جو پھول کھلائے ہیں ان کو پڑھ کر سر دھنئے۔ ارشاد ربانی ہے۔

یکاد زیتها یضئی ولو لم تمسسه نار نور علی نور یهدی اللّٰه لنوره من یشآء

اس آیت کریمہ کے تحت شیخ نفطو یہ یوں رقم طراز ہیں:

”هذا مثل ضربة اللّٰه لنبیه علیه الصلاة و السلام یقول یکاد منظره یدل علیٰ نبوته وان لم یسل قرآناً“ ”اللہ تعالیٰ نے یہ اپنے پیارے محبوب علیہ السلام کی مثال دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر قرآن کی تلاوت نہ بھی کرتے پھر بھی آپ کا چہرۂ اقدس آپ کی نبوت پر دال تھا......“ (حجۃ اللہ علی العالمین، ص ٦٧٥)

علامہ آلوسی روح المعانی میں فرماتے ہیں۔

یکاد زیت صلوات اللّٰه و سلامه علیه لصفائه وزکائه ولو لم یمسه نور القزان ”اگر نور قرآن آپ کو مس نہ بھی کرتا تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پاکیزگی اور کمال حسن کی وجہ سے جگمگا اٹھتے۔ (تفسیر روح المعانی، پ ٨)

مندرجہ بالا اقوال مقدسہ سے یہ بات بھی واضح ہورہی ہے کہ حسن و جمال مصطفوی بھی دلیل نبوت تھا......

ترے خلق کو حق نے عظیم کہا تری خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا ترے خالق حسن و ادا کی قسم

کس کس آیت کو پیش کیا جائے جس سے جمال رخ زیبا، گیسوئے معنبر اور چشم منور کا بیان خوشبوئیں بکھیر رہا ہے اور پھر ان آیات کی تفاسیر میں مفسرین کرام نے جو موتی پروئے ہیں ان کو دیکھ کر محب بے ساختہ پکار اٹھتا ہے ع

تجھ کو دیکھا تو مصور کا قلم یاد آیا

محبوب جس قدر عظیم ہوگا اس کی عظمت کے چرچے اور تذکرے اتنے ہی دلکش اور حسین انداز سے کئے جائیں گے اس کی اداؤں اور خوبیوں کو اتنی ہی بلندی کے ساتھ بیان کیا جائے گا اور جو محبوب خدا و خلق خدا ہو اس کے جمال و کمال کو تو بیان کرنے کے لیے ہر ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ عہد رسالت سے لے کر آج تک ثنا خوانان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے محبوب پاک کے حسن و جمال کو صرف بیان ہی نہیں کیا بلکہ حسن بے داغ کے تو نثار و قربان جانے کی تمنائیں اور آرزوئیں کی ہیں۔ اپنے محبوب کے حسن و جمال سراپائے اقدس، رخ زیبا، اور جبین تاباں کی مدح و ثنا اور تعریف و توصیف سے اپنے عشق و محبت کی بزمیں بطریق احسن سجائی ہیں۔

تربیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے گوہر تابدار بننے والے جاں نثاروں نے تو جمال حضور کو اتنے حسین پیرائے میں بیان کیا ہے کہ دل و نگاہ مسرور و شاداں ہو جاتے ہیں۔ اور ہونٹ فرط محبت میں ان کے کلمات کو بوسہ دینے لگتے ہیں...... ذرا یار غار، اصدق الصادق سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے یہ جملے تو ملاحظہ فرمائیں جو عشق و محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں غوطہ زن ہو کر شاید آپ نے کہے تھے......

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور دائرۂ قمر کی مانند تھا۔"

حضرت شیخ محقق عبد الحق محدث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "چاند کے نورانی جسم سے مشابہت یا ہالۂ قمر سے تشبیہ کا صریح اشارہ آپ کے چہرۂ انور کے اس نور کی طرف ہے جو انوار و اضواء کی شکل میں بمنزلۂ ہالہ احاطہ کئے ہوئے ہے۔ یہ تشبیہ آپ کے رخ انور کے کمال ضیاء و نورانیت اور اس کی عظمت و ہیبت و جلال کا طریقۂ اظہار ہے اور کوشش کرنی چاہئے کہ اس سے نظر و مشاہدہ میں کیا چیز آتی ہے اور اس تشبیہ میں مشاہدہ کرنے والے کی نظر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال و جلال کیسے ظاہر ہوتا ہے کیونکہ یہ آنکھوں کو سیراب کرتا اور دل کو نور عظمت و محبت سے بھرتا ہے۔

اور اس عاشق رسول کے جمال جہاں آراء کو بیان کرنے والے جملے بھی تو ملاحظہ فرمایئے جن کا نام زبان پر آتے ہی مشام جاں معطر ہوتے جاتے ہیں جس کا پورا وجود عشق و محبت رسول کا آئینہ دار تھا

۔خود زبان رسالت علیہ التحیۃ والثناء نے جن کی روح القدس کے ذریعے تائید کی دعا کی یعنی محب رسول عاشق بے مثال حضرت سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

واحسن منک لم ترقط عینی
و اجمل منک لم تلد النساء
خلقت مبراء من کل عیب
کانک قد خلقت کما تشاء

ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری آنکھ نے آپ سا حسین وجمیل اور کوئی نہیں دیکھا کیونکہ آپ سا حسین وجمیل کسی ماں نے جنا ہی نہیں۔آپ تو ہر عیب سے پاک پیدا کئے گئے ہیں گویا کہ آپ ایسے پیدا کئے گئے جیسا کہ آپ چاہتے تھے۔

اور دیکھئے حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کتنے الفت بھرے انداز میں فرماتے ہیں۔

مارأیت شیئا احسن من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین وبہتر میں نے کسی چیز کو نہیں دیکھا''......

ذرا مذکورہ بالا الفاظ پر غور کیجئے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مارأیت شیئاً فرمایا یہ نہیں فرمایا مَارأیت انساناً اَوْ رجُلاً......(کسی انسان یا مرد کو نہیں دیکھا) کیونکہ پہلے والے جملے میں مبالغہ ہے مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبی حسن ہر چیز پر فائق تھی اور انہوں نے فرمایا کہ چہرۂ انور ایسا روشن وتاباں تھا کہ گویا آفتاب آپ کے رُخ انور میں پیر رہا تھا ؎

تا شب نیست روز ہستی زاد
آفتابے چو تو ندارد یاد

حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

آپ کا چہرۂ اقدس خوش منظر تھا اور آپ کا نسب مبارک اعلیٰ اور آواز حسین تھی۔

زوجۂ رسول سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس کا حسن و جمال سب سے بڑھ کر اور رنگ سب سے روشن تھا۔''

حضرت ام معبد فرماتی ہیں۔

"حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس میں سورج کی سی تابانی اور درخشندگی تھی۔" (سبل الہدیٰ، ۲/۵۶، بحوالہ شرح سلام رضا)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس پیکر حسن و جمال کی محبت و عشق میں غوطہ زن ہو کر بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب چودہویں رات کا چاند پر بہار میں کھلا ہوا تھا میں چودہویں رات کے چاند کے حسن و جمال کے نظارے سے لطف اندوز ہو رہا تھا اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں میں نے چاند کے چہرے سے نظر ہٹا کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ پرنور پر ڈالی پھر میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ زیبا سے نظر ہٹا کر چاند کے چہرے پر ڈالی پھر چاند کے چہرہ سے نظر ہٹا کر حضور اقدس کے چہرۂ انور پر ڈالی اس طرح میں نے چند مرتبہ کیا ...... بار بار کے تجزیہ کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ اقدس چاند سے بھی زیادہ روشن اور منور ہے کیوں کہ چاند کے چہرہ میں سیاہ دھبہ ہے لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور صاف اور درخشاں ہے ؎

میل سے کس درجہ ستھرا ہے وہ پتلا نور کا
ہے گلے میں آج تک کورا ہی کرتا نور کا

محبوب رب صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال کا کیا کہنا عاشقوں نے کبھی آفتاب سے تشبیہ دی اور کبھی ماہتاب سے......

صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے روشن صفائی و تابانی میں شمشیر کی مانند تھا؟ فرمایا نہیں بلکہ چاند کی مانند تھا...... کیونکہ شمشیر کی تشبیہ میں گولائی مفقود ہے اس لیے انہوں نے چاند سے تشبیہ دی چاند میں چمک دمک بھی ہے اور گولائی بھی......

اور صحیح مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ انہوں نے جواب دیا...... نہیں! بلکہ آفتاب و ماہتاب کی مانند تھا یعنی مستدیر اور گولائی میں۔ اگر چہ ماہتاب کے مقابلہ میں آفتاب میں چمک دمک زیادہ ہے لیکن ماہتاب میں جو ملاحت ہے وہ آفتاب میں نہیں۔ اور ملاحت ایسی خوبی ہے جو دیکھنے میں پرلطف اور دل نشیں ہے جس کا ذوق سلیم ہی ادراک کر سکتا ہے۔ (مدارج النبوۃ، ۱/۱۱)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو چاند اور سورج سے تشبیہ بلکہ ان سے بھی زیادہ حسین وجمیل کہنے والے عاشقوں کے واقعات بیان کئے جائیں تو صفحات کے صفحات بھر جائیں ...... خدا ان عاشقوں کے بحر عشق ومحبت کی ایک بوند ہمیں بھی عطا فرمائے۔ یہ دیکھئے حضرت کعب مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کان رسول اللّٰہ اذا سر استلنار وجھہ کانہ قطعۃ قمر

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر جب شکن پڑتی تو آپ کا چہرۂ انور پارۂ قمر کی مانند چمکنے لگتا۔''

طالبان مشتاق ہمیشہ جمال جہاں آراء صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ میں ایام بیض کی راتوں میں مشرف رہتے تھے اور اس مشاہدہ سے وہ کبھی غافل وفارغ نہ ہوتے تھے کیونکہ دیدار نقد ہے اور ابن ابی ہالہ کی حدیث میں ہے کہ ''مشاہدہ کرنے والوں کی نظر میں حضور اکرم علیہ الصلاۃ والسلام عظیم بزرگ معظم تھے گویا کہ آپ کا چہرۂ انور چودھویں رات کے چاند کی مانند روشن وتاباں تھا......''

اور جمال جہاں آراء صلی اللہ علیہ وسلم کو آفتاب کے مقابلے میں چاند سے تشبیہ دینے کی ترجیح میں اہل سیر فرماتے ہیں کہ چاند چونکہ اپنے نور سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور فرحت بخشتا ہے اور اس کے مشاہدہ سے دل کو انس ولذت حاصل ہوتی ہے اور یہ کہ اس کی طرف نظر کرنا ممکن ہے بخلاف آفتاب کے...... کہ وہ آنکھوں کو خیرہ کرتا۔ اور دل کو ذوق نہیں پہنچاتا ہے...... (ایضاً، ص ۱۴-۱۴۔۱۳)

حسن بے مثال کا کہاں تک ذکر کیا جائے ''بعد از خدا بزرگ توئی جن کی ذات ہو اس کے سراپا اور حسن جمال کو کون بیان کر سکتا ہے......ام المومنین محبوبۂ محبوب رب العٰلمین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا بیان فرماتی ہیں کہ میں سحری کے وقت سی رہی تھی کہ میرے ہاتھ سے سوئی گر گئی چراغ کی روشنی میں اسے بہت تلاش کی نہیں ملی۔ اتنے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ کے چہرۂ انور کی روشنی سے پورا کمرہ روشن ہو گیا......اور اس روشنی میں میں نے اپنی سوئی دیکھ لی۔''

(خصائص کبریٰ، ۱/ ۱۵۹)

سوزن گم شدہ ملتی ہے تبسم سے ترے
شام کو صبح بناتا ہے اجالا تیرا

حقیقت یہ ہے حسن محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر پورا ظاہر نہیں کیا گیا ورنہ کسی میں طاقت نہیں تھی کہ وہ اس حسن کی تاب لا سکتا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

''کہ میرے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی تو عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر زنان مصر نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے اور بعض لوگ ان کو دیکھ کر مر جاتے تھے مگر آپ کو دیکھ کر کسی کی ایسی حالت نہیں ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا جمال لوگوں کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ نے غیرت کی وجہ سے چھپا رکھا ہے اگر آشکارا ہو جائے تو لوگوں کا حال اس سے بھی زیادہ ہو جو یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر ہوا تھا۔''

(درالثمین فی مبشرات النبی الامین، ص ۷)

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا حسن و جمال، ہم پر ظاہر نہیں کیا گیا اگر آپ کا پورا حسن و جمال ظاہر کیا جاتا تو ہماری آنکھیں آپ کے دیدار کی طاقت نہ رکھتیں۔'' (زرقانی شریف)

وہ حسن جس کے آگے وادی خیال میں پیدا ہونے والی حسن جمال کی تمام تر رعنائیاں فیل ہو جائے کون بیان کرسکتا ہے اس نورانی چہرے کے کمالات حسن کس بیان میں آسکتے ہیں.....مگر آیئے کچھ جمال محبوب رب صلی اللہ علیہ وسلم کو امام احمد رضا کے اشعار کی روشنی میں بھی دیکھتے چلیں۔ کیونکہ امام احمد رضا اسی کاروان مدحت و نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے رکن ہیں جس کی زندگی کا ماحول ہی عشق والفت رسول تھا۔ انہوں نے تو اوصاف مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ مدحت بیان فرمائی کہ جسے پڑھ کر مشام جاں معطر ہو جائے......سلام رضا کو اس سلسلے میں امتیازی حیثیت حاصل ہے......

حسن مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ بھی امام احمد رضا نے بڑے والہانہ انداز میں کیا ہے او ربقول مسعود ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مظہری دام ظلہ: ''امام احمد رضا بریلوی جب اپنے محبوب دل آراء کی محبت میں ڈوبتے ہیں اور اس کے حسن دل افروز کو شعروں میں ڈھالتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے جیسے دل مچل رہے ہوں ...... جیسے آنکھیں برس رہی ہوں...... جیسے سینے پھک رہے ہوں ...... جیسے چشمے ابل رہے ہوں...... جیسے فوارے چل رہے ہوں ...... جیسے گھٹائیں چھا رہی ہوں...... جیسے پھوار پڑ رہی ہو...... جیسے مینھ برس رہا ہو...... جیسے جھرنے چل رہے ہوں...... جیسے دریا بہہ رہے ہوں ...... جیسے صبا چل رہی ہو...... جیسے پھول کھل رہے ہوں...... جیسے خوشبو مہک رہی ہو...... جیسے تارے چمک رہے ہوں ...... جیسے کہکشاں دمک رہی ہو...... جیسے آفاق پھیل رہے

ہوں......جیسے دنیا سمٹ رہی ہو......جیسے زمین سے اٹھ رہے ہوں......جیسے فضاؤں میں بلند ہورہے ہوں......''اور آگے چل کر فرماتے ہیں:''جیسے ان کے نور کی خیرات لوٹ رہے ہوں......جیسے ان کے کرم کی بہاریں دیکھ رہے ہوں......رضا بریلوی کے نعتیہ نغموں کی کیا بات......''

سطور بالا میں بیان کیا جا چکا ہے کہ حسن مصطفوی اور جمال جہاں آراء کی کوئی مثال پیش نہیں کرسکتا تو بھلا جس نے اپنی پوری زندگی حب رسول میں صرف کردی اپنے محبوب کی ہر ہر ادا پر جاں فدا کردی ان کے اعضائے جسمانی پر اپنے مشہور زمانہ سلام میں محبت وعشق بھرے انداز میں بہت پر لطف روشنی ڈالی ہو جس کی روح کا چین چہرۂ والضحیٰ ہو۔جس کے لب پر لحہ لحہ ذکر حبیب پاک اور تذکار محبوب پاک ہو جب وہ اپنے محبوب کے حسن و جمال کی کیفیتوں کا ذکر چھیڑے تو پھر عالم کیا ہوگا۔عرض کرتے ہیں ؎

حسن تیرا سا نہ دیکھا نہ سنا
کہتے ہیں اگلے زمانے والے

اور جس حسن بے مثال کو متقدمین خراج پیش کرتے ہوں اس پر متاخرین کا یہ شیدائی کیوں نہ قربان ہو۔ذرا والہانہ انداز تو دیکھئے......

حسن بے داغ کے صدقے جاؤں
یوں دمکتے ہیں دمکنے والے

مشتاق مصطفی یعنی صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کئی ایک مثالیں گذشتہ صفحات میں پیش کی گئیں جن سے حسن مصطفی کو بے نظیر قرار دیا گیا......اپنے انہی سرکاروں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے یہ عاشق صادق امام احمد رضا بھی اپنے محبوب جاناں صلی اللہ علیہ وسلم کی شان حسن کو بیان کرتے ہوئے عرض گذار ہے۔

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

اپنے آقا اور محبوب کے حسن و جمال خدو خال زلف ورخ ورخسار کی والہانہ انداز میں کتنے خوبصورت الفاظ اور عشق بھرے انداز میں مدحت بیان کی ہے......ذرا غوطہ زن بحر عشق ہو کر آپ بھی ملاحظہ کریں......

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

دولت درد اور متاع عشق کوئی معمولی چیز نہیں کہ جس کی حفاظت سے ہم غافل ہو جائیں اس سے محرومی کا تلخ ذائقہ ہم یورپ سے پوچھیں......جس کے پاس سب کچھ ہے مگر اپنا آپ نہیں بچا دل رہ گیا مگر دھڑکن نام کو نہیں......امام احمد رضا نے اسی عشق اور درد کو محسوس کیا اور دنیاوی بادشاہوں کے بجائے کائنات کے شہنشاہ کا عشق اپنے سوز دروں میں جا گزیں کیا جس کی تپش سے اپنے سینہ کو آشنا کیا جس کے گداز سے اپنے آپ کو شنا سا کیا۔ یہ عشق رسول کی کیفیت ہی تھی عشق رسول کا ذوق ہی تھا والہانہ پن ہی تھا گداختگی اور شیفتگی ہی تھی کہ جب مصطفی جان رحمت کا ذکر چھڑ جاتا تو یہ عاشق صادق تڑپ اٹھتا اور والہانہ عقیدت واحترام میں نعتوں پر نعتیں لکھ جاتا جن میں رخ مصطفی کا بھی ذکر ہوتا لب مصطفی کا بھی تذکرہ ہوتا۔ دست وقدم رسول کے تذکرے بھی ہوتے......خور دونوش حبیب کے جلوے بھی دکھائی دیتے اور ان سب پر بھاری ان کا عشق بھرا انداز ادب و تعظیم ہوتا تبھی تو زندگی کا ماحصل قرار دینے کے بعد قبر میں بھی یہی آرزو لے کر چلے گئے......

لحد میں عشق رخ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

مگر سر دست میرا موضوع سخن حسن مصطفوی پر امام احمد رضا کی عقیدت مندانہ کیفیت بیان کرنا ہے۔

باد رحمت سنک سنک جائے
وادی جاں مہک مہک جائے
جب چھڑے بات حسن حضرت کی (ﷺ)
غنچۂ دل چٹک چٹک جائے

امام احمد رضا نے اپنے محبوب کی توصیف وثنا کرتے وقت نعتیہ شاعری میں کاروان نعت گوئی کے سالار اول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اپنا رہبر ورہنما مانا ہے......فرماتے ہیں......

توشہ میں غم و اشک کا ساماں بس ہے
افغان دل زار حدی خواں بس ہے

رہبر کی رہ نعت میں گرحاجت ہو
نقش قدم حضرت حساں بس ہے

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے چہرۂ مصطفی ملاحظہ فرمانے کے بعد بحر عشق والفت میں غوطہ زن ہوکر عرض کیا تھا۔

واحسن منک لم ترقط عینی الخ

انہی کے نقش قدم پر چلنے والے بریلی شریف کی ٹوٹی چٹائی پر بیٹھنے والے عاشق نے جذبات عشق میں یوں کہا......

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا
ترے خلق کو حق نے عظیم کہا تری خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا ترے خالق حسن و ادا کی قسم

حسن محمدی کے متعلق پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب دام ظلہ فرماتے ہیں:

''ایسا حسین وجمیل چہرہ کہ بس دیکھا کیجئے دیکھنے والوں نے ایسا حسین نہ دیکھا۔ سننے والوں نے ایسا حسین نہ سنا۔ ایسا حسین، جس کے حسن و جمال پر دیکھنے والوں نے ایمان نچھاور کردیئے۔ دل فدا کردیئے۔ جانیں قربان کردیں۔ اللہ اللہ کشش کا عالم......سارے عالم کے دل کھینچنے لگے...... پیاری پیاری ادائیں......سبحان اللہ سبحان اللہ۔ ماشاء اللہ۔ جانے کو دل نہیں چاہتا...... ہیبت وجلال کا یہ عالم کہ شاہوں کے قدم لڑکھڑا گئے۔

ظاہر میں غریب الغرباء پھر بھی یہ عالم
شاہوں سے سوا سطوت سلطان مدینہ

حسن بے مثال کا یہ عالم تھا کہ زبان کو عالم حیرت میں یہ کہنا پڑا **لَمْ اَرَ قَبْلَهٗ وَ لَا بعدهٗ** (ترمذی، مشکوٰۃ شریف، ص ۵۱۷) ایسا حسین وجمیل تو نہ ان سے قبل دیکھا گیا اور نہ ان کے بعد، امام احمد رضا فرماتے ہیں۔

ترا قد تو نادر دہر ہے کوئی مثل ہو تو مثال دے
نہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں کہ چمن میں سرو چماں نہیں

علامہ اشرف سیالوی کے بقول لوگوں کے نزدیک شمس وقمر، ستارگان فلک، گلہائے رنگا رنگ، سبزہ زاروں، رواں دواں نہروں اور ان کے اردگرد ہرے بھرے درختوں کی قطاروں کا حسن بڑا اہم ہے آیئے محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار عشق سے تو پوچھیں کہ یہ سب کس کس کے حسن تمام کا پرتو ہیں ......امام احمد رضا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ زیبا تو کیا آپ کے دست انور کی انگلی مبارک کی رعنائی کی بھی چاند پر فوقیت بیان کی ہے اور واضح کر دیا کہ جب چاند محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی کی تجلیات کے سامنے مغلوب ہو گیا تو آپ کے چہرے کے حسن بے حجاب کا مقابلہ کس طرح کر سکتا ہے۔فرماتے ہیں۔

برق انگشت نبی چمکی تھی اس پر ایک بار
آج تک ہے سینۂ مہ میں نشان سوختہ

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے چاند کی عقیدت وارادت کا حال یہ ہے کہ آپ کی جبیں تو جبیں رہی وہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش کف پا کو بوسہ دینا بھی سعادت سمجھتا ہے......بقول رضا بریلوی ؎

رخ انور کی تجلی جو قمر نے دیکھی
رہ گیا بوسہ دہ نقش کف پا ہو کر

امام احمد رضا کا پورا نعتیہ دیوان عظمت وکمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے پر ہے مگر بارگاہ حسن و جمال وعظمت وکمال میں اپنے دل نیاز مند کی طرف سے عقیدت ومحبت کے پھول کس انداز میں پیش کر رہے ہیں حسن وجمال مصطفوی کی عظمت ورفعت ان اشعار سے بخوبی عیاں ہے......

عید مشکل کشائی کے چمکے ھلال
ناخنوں کی بشارت پہ لاکھوں سلام
ماہ مدینہ اپنی تجلی عطا کرے
یہ ڈھلتی چاندنی تو پہر دوپہر کی ہے

امام احمد رضا کے برادر گرمی نے ایک جگہ فرمایا تھا......

تیرہ دل کو جلوۂ ماہ عرب درکار ہے
چودھویں کے چاند تیری چاندنی اچھی نہیں

مذکورہ شعر عمدہ ہے مگر امام احمد رضا نے کہا اور خوب کہا......

خورشید تھا کس زور پر کیا بڑھ کے چمکا تھا قمر
بے پردہ جب وہ رخ ہوا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

وصف رخ ان کا کیا کرتے ہیں شرح والشّمس وضحیٰ کرتے ہیں
ان کی ہم مدح و ثنا کرتے ہیں جن کو محمود کہا کرتے ہیں

چاند سے منھ پہ تاباں درخشاں درود
نمک آگیں صباحت پہ لاکھوں سلام

یہ جو مہر و مہ پہ ہے اطلاق آتا نور کا
بھیک تیرے نام کی ہے استعارہ نور کا

حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے بے مثال حسن عطا فرمایا تھا جن کے رخ زیبا کو دیکھ کر مصر کی عورتیں عالم حیرت میں محو ہو کر اپنی انگلیاں کاٹ بیٹھیں۔ مگر سُنئے، حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کیا فرماتی ہیں......

''زلیخا کی سہیلیاں اگر آپ کی حسین جبین کو دیکھتیں تو ہاتھوں کے بجائے دل کاٹ بیٹھتیں۔''

امام احمد رضا اسی حسن مصطفوی کے بارے میں نغمہ سرا ہیں ؎

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردان عرب

کہنے والے صحیح کہہ گئے......

☆☆☆

امام احمد رضا کی ردیفیں

☆ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، بریلی شریف

پابند نظم کے علاوہ اردو کے مروجہ اصناف سخن میں قافیہ لازمی ہے لیکن ردیف کا لانا لازمی نہیں تاہم ردیف کی اہمیت وافادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اردو کے بڑے بڑے شعرا مثلاً میرؔ، غالبؔ، اقبالؔ وغیرہ نے اپنی ردیفوں کے ذریعے اپنے شعری اسلوب کے متنوع پہلوؤں کا نظارہ کرایا ہے اور ردیفوں ہی کے توسط سے اشعار کو جہانِ معنی کا سیر کرایا ہے اور خود ردیفوں کو بھی معنی کی نئی جہات دی ہیں۔

ردیف کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ جس نظم میں اس کا التزام ہوتا ہے، اس نظم کے ہر شعر میں پنہاں مضمون کی ادائیگی ردیف پر ہی منحصر ہوتی ہے اور ایسے ہی موقع پر شاعر کی صلاحیت اور اس کے اسلوب کی خوبی کا پتا چلتا ہے۔ ردیفیں مختصر اور طویل دونوں طرح کی ہوتی ہیں اور یہ شاعر کی شعری حرکیت پر منحصر ہے کہ وہ کب ایک لفظی ردیف سے شعر کو بلاغت اور نزاکت فکر کا نمونہ بنا دیتا ہے یا طویل ردیف کا سہارا لے کر معنویت کی تہ داری کا نمونہ پیش کرتا ہے۔

امام احمد رضا نے جہاں مشکل اور تنگ قوافی کے باوجود شعری زمین کو پانی کر دیا ہے، وہیں مشکل اور آسان نیز مختصر اور طویل ہر طرح کی ردیفوں کو برت کر سخت زمینوں میں اشعار کے رنگا رنگ پھول کھلائے ہیں۔

امام احمد رضا کے ردیفوں کی الگ الگ خوبیاں ہیں۔ کوئی کوئی ردیف بجائے خود موضوع بن گئی ہے۔ مثلاً ''نور کا، عرب، عارض، گیسو، ہاتھ میں، ایڑیاں، تم پہ کروروں درود، پہ لاکھوں سلام، ہمارا نبی'' وغیرہ کی ردیفیں۔

ردیف ''نور کا'' کی وجہ سے پوری غزل ''قصیدۂ نور'' کے نام سے موسوم ہوگئی ہے۔ اسی طرح ردیف ''تم پہ کروروں درود''، ردیف ''پہ لاکھوں سلام'' کی وجہ سے یہ دونوں منظومات ''قصیدۂ درودیہ'' اور ''قصیدۂ سلامیہ'' کے نام سے شہرت پا گئے۔ ردیف ''عرب، گیسو، عارض'' وغیرہ کو موضوع بنا کر انھیں پر امام احمد رضا نے بھانت بھانت کے حسین وبلیغ شعر نکالے ہیں اور ہر شعر کے ساتھ ہر ردیف کو

بھی معنویت کا پیکر بنا دیا ہے۔

قصیدۂ سلامیہ اور قصیدۂ درودیہ پر تو علما، ناقدین ادب اور شارحین کلام رضؔا نے بہت کچھ لکھا ہے لہٰذا ان منظومات کی ردیفوں پر نیز ردیف ''ہمارا نبی'' پر کسی جائزے یا مزید تبصرہ کی ضرورت نہیں البتہ دیگر موضوعاتی ردیفوں اور ان کے علاوہ چند دوسری ردیفوں کے بارے میں کچھ عرض کیا جائے گا۔

(۱) ردیف ''عرب'': اس ردیف پر امام احمد رضا کی دو نعتیں ہیں۔

پہلی نعت کا مطلع ہے:

تاب مرأت سحر گرد بیابان عرب
غازہ روئے قمر دودِ چراغان عرب

زیر نظر نعت میں عرب کے بیاباں کے گرد، چراغوں کے دھوئیں، چمنستاں کی بہار، گل و ریحان، خار، برسات وغیرہ کا بہت ہی والہانہ انداز میں حسین بیان کیا گیا ہے۔

اس نعت کے مندرجہ ذیل دو اشعار خصوصیت کے ساتھ قابل توجہ ہیں:

عرش سے مژدۂ بلقیس شفاعت لایا
طائر سدرہ نشیں ، مرغ سلیمان عرب
کوچہ کوچہ میں مہکتی ہے یاں بوئے قمیص
یوسفستاں ہے ہر اک گوشۂ کنعان عرب

دونوں اشعار میں تراکیب کی ندرت و جمال، استعارہ سازی کا کمال اور تلمیح کی رعنائی قابل دید ہیں، ''یوسفستان'' کی ترکیب تو آپ اپنی مثال ہے۔ اس ردیف ''عرب'' سے دوسری نعت کا مطلع ہے:

پھر اٹھا ولولۂ یاد مغیلان عرب
پھر کھنچا دامن دل سوئے بیابان عرب

زیر نظر نعت میں امام احمد رضا نے عرب کی مقدس و محترم زمین کی یاد میں اپنی بے قراری اور وہاں سے دوری پر اپنے دکھ درد کا بہت ہی والہانہ انداز میں بیان پیش کیا ہے اور یہ محض شاعری نہیں بلکہ وارداتِ قلبی کو شعری پیکر میں ڈھالا گیا ہے۔

اس نعت میں عرب کی شان اور عظمت و تقدیس بلکہ جانِ جہان و جانِ ایمان حضور نبی ذی شان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جس وارفتگی کے ساتھ امام احمد رضا نے وابستگی کا اظہار کیا ہے اس میں ردیف ''عرب'' نے حسن بھر دیا ہے اور ہر ہر شعر کو معانی کے امصارِ حسین کی سیر کرائی ہے۔

(۲) ردیف ''عارض'': یہ ردیف بہ ذات خود نعت کا موضوع ہے۔ عارض ہی کی مناسبت سے امام احمد رضا نے ایک سے بڑھ کر ایک نازک، حسین، لطیف، پر فکر اور بلیغ شعر نکالے ہیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عارض مبارک کے حسین و تاب ناک جلوے دکھائے ہیں۔ مطلع ہے:

نارِ دوزخ کو چمن کر دے بہار عارض
ظلمت حشر کو دن کر دے نہار عارض

نزاکت فکر پر مبنی یہ شعر دیکھیے:

جیسے قرآں ہے ورد اس گل محبوبی کا
یوں ہی قرآں کا وظیفہ ہے وقار عارض

اب مندرجہ ذیل شعر میں تشبیہ کی تازہ کاری، صنعت لف و نشر غیر مرتب کا حسن، رنگ و روشنی کا تصور اور امیجری کا کمال دیکھیے:

مشک بو زلف سے رخ، چہرہ سے بالوں میں شعاع
معجزہ ہے حلب زلف و تتارِ عارض

(۳) ردیف ''گیسو'': یہ ردیف بھی بہ ذات خود نعت پاک کا موضوع ہے۔ زیر نظر نعت ایک شاہ کار نعتیہ غزل ہے۔ جان جاناں و جانِ جہاناں شہ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گیسوئے واللیل کی جناب رضاؔ نے نزاکت خیالات و معانی اور والہانہ محبت سے متنوع انداز میں توصیف کی ہے:

چمن طیبہ میں سنبل جو سنوارے گیسو
حور بڑھ کر شکن ناز پہ وارے گیسو
ہم سیاہ کاروں پہ یا رب تپش محشر میں
سایہ افگن ہوں ترے پیارے کے پیارے گیسو

سوکھے دھانوں پہ ہمارے بھی کرم ہو جائے
چھائے رحمت کی گھٹا بن کے تمھارے گیسو

یہ زمین ردیف کی ثقالت کی وجہ سے ایسی بنجر ہے کہ اس میں رنگ برنگ کے اشعار کے پھول کھلانا ممکن نہیں! اس کے باوجود بھی حضرت رضؔا نے اپنی شعری حرکیت اور جذبہ کے التہاب سے اس زمین میں بھی اشعار کے شگفتہ پھول کھلائے ہیں:

دیکھو قرآں میں شب قدر ہے تا مطلع فجر
یعنی نزدیک ہیں عارض کے وہ پیارے گیسو
بھینی خوش بو سے مہک جاتی ہیں گلیاں واللہ
کیسے پھولوں میں بسائے ہیں تمھارے گیسو

(۴) ردیف ''ایڑیاں'': یہ ردیف بھی خود بہ خود نعت کا موضوع بن گئی ہے۔ رب عظیم کے حبیب اکبر اور اپنے نام دار آقا علیہ الصلاۃ والسلام کی ایڑیوں کی تعریف امام احمد رضا نے متنوع انداز میں کی ہے۔ سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایڑیوں کو بھی آپ نے شمس و قمر کی عارض سے تشبیہ دی ہے۔ ایڑیوں میں شامل تلوؤں، پنجوں اور ناخنوں کو چاند، سورج اور ہلال سے تشبیہ دی ہے اور ایڑیوں کو دو ستارے کہا ہے۔ شعر ملاحظہ ہو:

دو قمر، دو پنجۂ خور، دو ستارے، دس ہلال
ان کے تلوے، پنجے، ناخن، پائے اطہر ایڑیاں

حسن تلمیح کے ساتھ دو بلیغ اشعار اور بھی دیکھیے:

ہائے اس پتھر سے اس سینے کی قسمت پھوڑیے
بے تکلف جس کے دل میں کریں گھر ایڑیاں
چرخ پر چڑھتے ہی چاندی میں سیاہی آ گئی
کر چکی ہیں بدر کو ٹکسال باہر ایڑیاں

دل میں گھر کرنا اور ٹکسال باہر ہونا محاورے ہیں۔ پہلے شعر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس معجزہ کی جانب اشارہ ہے کہ پتھر پر آپ پائے اقدس رکھتے تھے تو وہ موم ہو جاتا تھا۔

(۵) ردیف ''ہاتھ میں'': اب تک پیش کی گئی تمام ردیفوں سے یہ ردیف زیادہ مشکل ہے لیکن اسے بھی امام احمد رضا نے اپنی شعری حرکیت اور جذبے کے التہاب سے پانی کر دیا ہے۔ مطلع ملاحظہ کیجیے:

ہے لب عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں
سنگ ریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

ردیف ''ہاتھ میں'' شیریں مقالی باندھنا جناب رضاؔ کا کمال فن ہے۔ ایسی مثال اردو کی کسی بھی نوع کی شاعری میں نہیں ملتی ہے۔ اس مطلع میں امام احمد رضا نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ معجزہ پیش کیا ہے جب کنکروں نے ابوجہل کے ہاتھ میں آپ کا کلمہ پڑھنا شروع کر دیا تھا۔

اس ردیف کے حوالے سے امام احمد رضا نے مختار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سخاوت، کریمی، جمالی وجلالی شان، شفاعت وغیرہ کے حقیقت پسندانہ بیان کے ساتھ اور پھر اس حوالے سے سرکار ابدقرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صحابۂ کرام کے والہانہ عشق وعقیدت اور وفا کیشی، حسنین کریمین کی دست گیری نیز اپنی وارفتگی محبت کا بھی اظہار کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے اور دیکھیے کہ حضرت رضاؔ نے اس ردیف کے توسط سے رمزیت میں وضاحت، وضاحت میں رمزیت اور تیقن واستدلال کے جلوے دکھائے ہیں اور اس طرح اپنے پیرایۂ بیان کے متنوع زاویے بھی اجاگر کیے ہیں:

کیا لکیروں میں یداللہ خط سروآسا لکھا
راہ یوں راز لکھنے کی نکالی ہاتھ میں
ابر نیساں مومنوں کو ، تیغ عریاں کفر پر
جمع ہیں شانِ جمالی و جلالی ہاتھ میں
مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

ردیف ''ہاتھ میں'' کے ساتھ لایزالی، نکالی، جمالی، جلالی، بے مثالی، مقالی وغیرہ قوافی باندھ کر حسین وبلیغ اور صداقت سے پُر اشعار پیش کرنا خامۂ رضاؔ کا کمال ہے۔

(٦) ردیف ''واہ واہ'': یعنی سبحان اللہ، الحمدللہ کے تحسینی الفاظ اور جب ''واہ واہ'' کے ساتھ مدح وثنا کی جائے تو ظاہر ہے کہ ممدوح کی عظمت اور بے مثالی وغیرہ کا بیان کیا جائے گا اور جب ممدوح ایسا عظیم

و بے نظیر ہو کہ بس ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' تو ظاہر ہے واہ واہ کے ساتھ ہر ادائے بے مثالی پر سبحان اللہ کہہ کر لوٹ جانے، فدا ہو جانے کا وہ حسین انداز سامنے آئے گا جو شاعر کے طرزِ ادا کی طرح داری کا اعلیٰ نمونہ ہوگا۔

واہ واہ بہت ہی شگفتہ ردیف ہے اور ''ہ'' کی ہکاریت والے لفظ سے خود صوتی آہنگ نمایاں ہے اور اگر اس کے ساتھ مسلسل اور سفیری آوازوں والے یا دوسرے مصوتوں والے قوافی بھی پیوست ہو جاتے ہیں تو آہنگ کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ مطلع ملاحظہ ہو:

کیا ہی ذوق افزا شفاعت ہے تمھاری واہ واہ
قرض لیتی ہے گنہ پرہیز گاری واہ واہ

زیر نظر نعت میں حضرت رضاؔ نے سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت، حسن بے مثال، امت سے محبت، سخاوت، مدینہ امینہ کی بہار، روضۂ اقدس کے نور وغیرہ کا بہت ہی والہانہ اور شاعرانہ بیان کیا ہے۔ آپ نے نفس کا محاسبا بھی کیا ہے۔ زیر نظر نعت کے ہر شعر کے حسن وخوبی پر قاری واہ واہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

خامۂ قدرت کا حسن دست کاری واہ واہ
کیا ہی تصویر اپنے پیارے کی سنواری واہ واہ
انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ
نور کی خیرات لینے دوڑتے ہیں مہر و ماہ
اٹھتی ہے کس شان سے گرد سواری واہ واہ
کیا مدینہ سے صبا آئی کہ پھولوں میں ہے آج
کچھ نئی بو بھینی بھینی پیاری پیاری واہ واہ
اس طرف روضہ کا نور، اس سمت منبر کی بہار
بیچ میں جنت کی پیاری پیاری کیاری واہ واہ

مندرجہ بالا اشعار میں صوتی آہنگ، شگفتگی، طراوت وغیرہ ظاہر ہیں اور محاکات، استعارہ بالکنایہ، اور تلمیح وغیرہ کی خوب صورتی بھی عیاں ہے۔

(۷) ردیف ''یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں'': ردیف طویل ہے۔ امام احمد رضا نے اور بھی طویل ردیفوں جیسے ''تم پہ کروروں درود''، ''پہ لاکھوں سلام'' وغیرہ کو برتا ہے۔ آپ نے طویل ردیفوں کو نئی معنویت دی ہے۔ زیر نظر ردیف نے نعت پاک کو ایک مکمل تجربے میں بدل دیا ہے۔ یہ نعت الگ الگ شعروں کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک وحدت ایک اکائی بن گئی ہے۔ یہ ردیف استفہام کے پیراہن میں ملبوس استفہام کی مختلف نوعیتوں، تشکیک، تجسس، تیقن اور استدلال وغیرہ کے جلوے پیش کرتی ہے۔ امام احمد رضا کے لب و لہجہ کا یہ انداز اس ردیف کے برتاؤ سے ان کی انفرادیت کا اظہار کرتا ہے، اور اس سے ان کی شعری عظمت واضح ہو جاتی ہے۔ نعت پاک کا مطلع ہے:

رخ دن ہے یا مہر سما ، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
شب زلف ہے یا مشک ختا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

حضرت امام احمد رضا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رخ پاک کی توصیف کرتے ہوئے سوچتے ہیں کہ اسے دن کہیں یا مہر سما۔ اسی طرح زلف معنبر کی مدح میں غور کرتے ہیں کہ اسے شب کہیں یا مشک ختا۔ اس طرح تشکیک میں مبتلا ہو کر خود کو لا جواب کر دیتے ہیں کہ جانِ جہاں علیہ السلام کے لا جواب رخ و زلف کے لیے کوئی بھی تشبیہ درست ہی نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ان کا جواب ہے۔

رفعنا لک ذکرک والے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان عظمت کے اظہار کا انداز مندرجہ ذیل اشعار میں دیکھیے:

ممکن میں یہ قدرت کہاں ، واجب میں عبدیت کہاں
حیراں ہوں یہ بھی ہے خطا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
حق یہ کہ ہیں عبد الہ اور عالم امکاں کے شاہ
برزخ ہیں وہ سرّ خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

پہلے شعر میں رضاؔ خود سے سوال کرتے ہیں اور گرداب تجسس سے نکل کر ساحل تیقن پر آن کھڑے ہوتے ہیں جو دوسرے سے واضح ہے اور ردیف ''یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں'' کا جو سلسلہ شعر اول

سے شروع ہوتا ہے وہ شعر دوم میں پہنچ کر خود ''یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں'' کو ''یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں'' کر کے تیقن کا جلوہ پیش کر دیتا ہے۔

اب ''یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں'' کے پردۂ تشکیک میں حضرت رضاؔ ردیف کو جہانِ معنی کی سیر کراتے ہوئے استدلال اور تیقن کے روپ میں پیش فرماتے ہیں:

خورشید تھا کس زور پر، کیا بڑھ کے چمکا تھا قمر
بے پردہ جب وہ رخ ہوا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
ڈر تھا کہ عصیاں کی سزا اب ہوگی یا روز جزا
دی ان کی رحمت نے صدا یہ بھی نہیں، وہ بھی نہیں

(۸) ردیف ''یوں'': یوں سے یہ مطلب بہ دیہی ہے کہ یہ کیوں کا جواب ہے۔ کیوں میں استفہام ہے اور یوں میں تیقن اور اس کے لیے استدلال ضروری ہے۔ امام احمد رضاؔ نے ''یوں'' کی ردیف میں جو نعت پاک کہی ہے اسی ردیف میں غالبؔ کی ایک غزل ہے۔ یہاں غالبؔ اور رضاؔ کا کوئی موازنہ مقصود نہیں بلکہ بتلانا صرف یہ ہے کہ جس ردیف یا جن ردیفوں کو برت کر غالبؔ یا اور دوسرے شعرا نے اپنے طرز ادا کے نئے جلوے دکھائے ہیں اور اپنی شاعرانہ عظمت تسلیم کرائی ہے، حضرت رضاؔ نے بھی انھیں ردیفوں کو برت کر اپنے اسلوب کی انفرادیت ظاہر کی ہے:

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفی کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

اس مطلع میں امام احمد رضاؔ نے معنی آفرینی کی انتہا کر دی ہے۔ مصرع اولیٰ میں استفہامیہ انداز نیز یوں کی تکرار سے رمزیت میں وضاحت اور وضاحت میں رمزیت کی جو حسین اور شعری فضا قائم کی ہے اس نے بلا کی معنی آفرینی برقرار رکھی ہے اور یہی شعری حسن ہے جس کا کمال ردیف یوں کے ساتھ جناب رضاؔ نے پیش فرمایا ہے۔ اسی زمین میں غالبؔ کا یہ شعر دیکھیے:

غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں
بوسے کو پوچھتا ہوں منھ سے مجھے بتا کہ یوں

غالبؔ کی مضمون آفرینی میں کوئی کلام نہیں لیکن فحش بیانی بہر حال موجود ہے حالاں کہ غزل میں اس کو مستحسن قرار دیا جاتا ہے۔ اب تطہیر کے پیراہن حریری میں ملبوس امام احمد رضاؔ کا یہ شعر دیکھیے اور

معیار و منہاج کے پیش نظر فیصلہ دیجیے:

میں نے کہا کہ جلوۂ اصل میں کس طرح گمیں
صبح نے نور مہر میں مٹ کے دکھا دیا کہ یوں

تلمیح کے وقار، مضمون آفرینی کی بہار، والہانہ بیانی اور شیفتگی کی جلوہ سامانی کے ساتھ ردیف ''یوں'' کو بخشی ہوئی معنویت مندرجہ ذیل اشعار میں ملاحظہ کیجیے:

قصر دنیٰ کے راز میں عقلیں تو گم ہیں جیسی ہیں
روح قدس سے پوچھیے تم نے بھی کچھ سنا کہ یوں
دل کو دے نور و داغ عشق پھر میں فدا دو نیم کر
مانا ہے سن کے شقِ ماہ آنکھوں سے اب دکھا کہ یوں
دل کو ہے فکر کس طرح مردے جلاتے ہیں حضور
اے میں فدا لگا کر ایک ٹھوکر اسے بتا کہ یوں

استفہامیہ انداز والی ردیفیں

(۹) (الف) ردیف ''کیوں'': اس ردیف میں امام احمد رضا کی دو نعتیہ غزلیں ہیں۔ دونوں کے قوافی الگ الگ ہیں۔ غالبؔ اور داغؔ کی بھی اسی زمین میں ردیف ''کیوں'' کے ساتھ غزلیں ہیں۔ حضرت رضاؔ کی پہلی نعت کا مطلع ہے:

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

کالی داس گپتا رضاؔ نے غالبؔ اور رضاؔ کے موازنہ میں دونوں کے اشعار پیش کیے ہیں:

ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں (غالبؔ)
پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں (رضاؔ)

اس موازنہ میں کالی داس گپتا لکھتے ہیں: نعت اور غزل کو یک جا کرنا اس کو کہتے ہیں۔ (سہو و سراغ)

کالی داس گپتا کی تحریر اس جانب اشارہ کرتی ہے کہ معانی کے ساتھ طرز ادا کا بانک پن رضاؔ کے ہاں بہ درجۂ اتم موجود ہے۔ اس لیے کہ نعت میں ایسا غزلیہ انداز پیش کرنا کہ تقدیس نعت متاثر نہ ہو فن کاری کا کمال ہے۔

علامہ شمسؔ بریلوی نے بھی اسی زمین کے غالبؔ اور رضاؔ کے ایک شعر کا موازنہ کیا ہے۔ علامہ موصوف رضاؔ کا یہ شعر:

یاد حضور کی قسم ، غفلت عیش ہے ستم
خوب ہیں قید غم میں ہم کوئی ہمیں چھڑائے کیوں

لکھ کر کہتے ہیں کہ اس رجائیت کے مقابل ذرا غالبؔ کی قنوطیت ملاحظہ ہو:

اصل حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

علامہ شمسؔ ارشاد فرماتے ہیں: ''اللہ اللہ! حضرت رضاؔ قدس سرہٗ نے قید غم کو کس طرح عزیز ثابت کیا ہے اور کیا ہی لطیف معنی پیدا کیے ہیں۔''

امام احمد رضاؔ نے استفہام کی مختلف نوعیتوں ''تجسس، تشکیک، تیقن'' وغیرہ کے انداز پیش فرما کر ردیف ''کیوں'' کو کئی معنویت سے ہم کنار کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

گرد ملال اگر دھلے ، دل کی کلی اگر کھلے
برق سے آنکھ کیوں جلے ، رونے پہ مسکرائے کیوں

جانِ سفر نصیب کو کس نے کہا مزے سے سو
کھٹکا اگر سحر کا ہو ، شام سے موت آئے کیوں

جان ہے عشق مصطفی ، روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ ، ناز دوا اٹھائے کیوں

یادِ وطن ستم کیا ، دشت حرم سے لائی کیوں
بیٹھے بٹھائے بدنصیب سر پہ بلا اٹھائی کیوں

مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ کیجیے کہ جناب رضاؔ نے ردیف کو کس طرح نئی معنویت سے ہم کنار کیا ہےاور فدائیت کے شباب کو ضم کردیا ہے:

نام مدینہ لے دیا چلنے لگی نسیم خلد
سوزش غم کو ہم نے بھی کیسی ہوا بتائی کیوں
کس کی نگاہ کی حیا پھرتی ہے میری آنکھ میں
نرگس مست ناز نے مجھ سے نظر چرائی کیوں
ہو نہ ہو آج کچھ مرا ذکر حضور میں ہوا
ورنہ مری طرف خوشی دیکھ کے مسکرائی کیوں

(ب) ردیف ''کیا ہے'': تحیر واستعجاب شاعر کے غور وفکر کا نتیجہ ہے لیکن امام احمد رضا کا تحیر واستعجاب اپنے آقا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تعلق سے کسی تشکیک میں مبتلا نہیں کرتا، بلکہ تیقن عطا کرتا ہے اور یہ دھوپ چھاؤں رمزیت میں وضاحت اور وضاحت میں رمزیت کے جلوے دکھاتا ہے۔ نعت کا مطلع دیکھیے:

کس کے جلوے کی جھلک ہے ، یہ اجالا کیا ہے
ہر طرف دیدۂ حیرت زدہ تکتا کیا ہے

یہ مطلع آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے مثالی کا حسین اظہار ہے۔

ساری مخلوق خداوندی کو معلوم ہے کہ یہ اجالا کس کا برپا کیا ہوا ہے۔ رضاؔ اس استعجاب سے آقا کی بےنظیری دیکھ کر واہ واہ کر رہے ہیں اور دنیا والوں کو ان کی یکتائی دکھا رہے ہیں۔

مندرجہ ذیل شعر ملاحظہ کیجیے۔ استفہام کے پردے میں تیقن کا بھرپور نظارہ کراتے ہیں:

مانگ من مانتی منھ مانگی مرادیں لے گا
نہ یہاں ''نا'' ہے نہ منگتا سے یہ کہنا ''کیا ہے''

حضرت رضاؔ کے ہاں قنوطیت کا گزر ہی نہیں۔ یہاں استفہامیہ کلمات یاس و تاسف کی غمازی نہیں کرتے بلکہ ان سے رجائیت اور سرخوشی کا اظہار ہوتا ہے۔ اشعار دیکھیے:

زاہد ان کا میں گنہ گار ، وہ میرے شافع
اتنی نسبت مجھے کیا کم ہے ، تو سمجھا کیا ہے
لو وہ آیا مِرا حامی مِرا غم خوار امم
آ گئی جاں تن بے جاں میں یہ آنا کیا ہے

(ج) ردیف ''کیا ہونا ہے'': اس ردیف کے تحت حضرت رضاؔ نے ۳۸/اشعار پر مشتمل ایک نعت پاک کہی ہے اور ردیف کو معانی کی نئی نئی جہتوں سے آشنا کیا ہے۔ یہ نعت بندش کی چستی، زبان کی گھلاوٹ اور فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

جناب رضاؔ نے اپنی بے عملی، نفس کی سرکشی، قلبی اضطرابات و کیفیات وغیرہ کو عنوان بنا کر ردیف کو اس انداز میں برتا ہے کہ وہ معنویت کے پرت کھولتی چلی جاتی ہے۔ اس طرح ہر شعر بلندیِ فکر کا پیکر بنتا چلا جاتا ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

ہم کو بد کر وہی کرنا جس سے
دوست بے زار ہے کیا ہونا ہے
میٹھے شربت دے مسیحا جب بھی
ضد ہے ، انکار ہے ، کیا ہونا ہے
ارے او مجرم بے پروا دیکھ
سر پہ تلوار ہے کیا ہونا ہے
پار جانا ہے نہیں ملتی ناؤ
زور پر دھار ہے کیا ہونا ہے

ہر شعر میں ایک سوال ہے۔ چند اشعار علامتی رنگ بھی لیے ہوئے ہیں۔ مثلاً شعر نمبر ۴ میں ''ناؤ'' کو بہ طور علامت پیش کیا گیا ہے۔ ایک شعر اور دیکھیے جس میں ''آگ'' کو عشق کی علامت بنایا ہے:

بیچ میں آگ کا دریا حائل

قصد اس پار ہے کیا ہونا ہے

ردیف ''کیا ہونا ہے'' سے پیدا ہر بے چینی اور پریشانی کا جواب حضرت رضاؔ مقطع میں اس طرح دیتے ہیں:

کیوں رضاؔ کڑھتے ہو ، ہنستے اٹھو

جب وہ غفّار ہے کیا ہونا ہے

(۱۰) ردیف ''نورکا'': اس ردیف میں نور نے ''قصیدۂ نور'' کو معنی کا جہانِ نور بنا دیا ہے اور نور ایک علامتی نشان کے ساتھ اس قصیدہ (نعت پاک) میں جلوہ گر ہوا ہے۔ قرآن و حدیث اور لغت و زبان و محاورہ کی روشنی میں نور کے مندرجہ ذیل معانی سامنے آتے ہیں:

''روشنی، پاکیزگی، طمانیت، حسن، سچائی، ایمان، علم و معرفت، طاقت و توانائی، جلال و عظمت، اصل و مادہ، خوشی و محبت، نعمت و رحمت اور وسیلہ و فیض'' وغیرہ۔

اب مندرجہ ذیل اشعار میں مندرجہ بالا معانی کا جائزہ لیجیے اور حضرت رضاؔ کے ردیف کے برتاؤ کے کمال اور ان کی شعری عظمت ملاحظہ کیجیے:

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا

صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا (روشنی، نور)

میل سے کس درجہ ستھرا ہے وہ پتلا نور کا

ہے گلے میں آج تک کورا ہی کرتا نور کا (پاکیزگی)

ناریوں کا دور تھا دل جل رہا تھا نور کا

تم کو دیکھا ہو گیا ٹھنڈا کلیجا نور کا (سکون، طمانیت)

شمع دل ، مشکوٰۃ تن ، سینہ زجاجہ نور کا

تیری صورت کے لیے آیا ہے سورہ نور کا (حسن و جمال)

تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا
سر جھکاتے ہیں الٰہی ، بول بالا نور کا (جلال وہیبت)

صبح کر دی کفر کی سچا تھا مژدہ نور کا
سر جھکا اے کشت کفر، آتا ہے اہلا نور کا (اسلام وصداقت)

یہ کتاب کُن میں آیا طرفہ آیہ نور کا
غیر قائل کچھ نہ سمجھا کوئی معنیٰ نور کا (علم ومعرفت)

دیکھ ان کے ہوتے نا زیبا ہے دعویٰ نور کا
مہر لکھ دے یاں کے ذروں کو مچلکا نور کا (قدرت وقوت)

تاب حسن گرم سے کھل جائیں گے دل کے کنول
نو بہاریں لائے گا گرمی کا جھلکا نور کا (سرخوشی، محبت)

وصف رخ میں گاتی ہیں حوریں ترانہ نور کا
قدرتی بینوں میں کیا بجتا ہے لہرا نور کا (سرخوشی، محبت)

یہ جو مہر و مہ پہ ہے اطلاق آتا نور کا
بھیک تیرے نام کی ہے استعارہ نور کا (اصل، مادّہ)

جو گدا دیکھو لیے جاتا ہے توڑا نور کا
نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا (نعمت، رحمت)

میں گدا تو بادشاہ بھر دے پیالہ نور کا
نور دن دونا ترا دے ڈال صدقہ نور کا (رحمت، نعمت)

ذرے مہر قدس تک تیرے توسط سے گئے
حدّ اوسط نے کیا صغریٰ کو کبریٰ نور کا (وسیلہ، فیض)

(۱۱) ردیف ''پھول'': حضرت رضؔا نے پھول کے متعدد معانی نکالے ہیں۔ مثلاً ہلکا پھلکا، پاک و صاف، گناہ سے مبرا، غرور، اترانا، زیور وغیرہ!

اشعار ملاحظہ کیجیے اور معانی کے گل ہائے رنگا رنگ سے عطر بیزی و شادابی حاصل کیجیے:

سر تا بقدم ہے تن سلطان زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول (پھول، گل)
تنکا بھی ہمارے تو ہلائے نہیں ہلتا
تم چاہو تو ہو جائے ابھی کوہ محن پھول (ہلکا)
ہوں بار گنہ سے نہ خجل دوش عزیزاں
للہ مری نعش کر اے جانِ چمن پھول (ہلکا، گناہ سے پاک)
دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخن پا کا
اتنا بھی مہِ نو پہ نہ اے چرخ کہن پھول (غرور کرنا، اترانا)
شب یاد تھی کن دانتوں کی شبنم کہ دم صبح
شوخانِ بہاری کے جڑاؤ ہیں کرن پھول (زیور)

اس نعت پاک کے ۱۶؍ اشعار میں رضاؔ نے پھول کو نئے طرز و انداز سے پیش کر کے معانی کے سولہ سنگھار سے نعتیہ غزل کو آراستہ کیا ہے۔

(۱۲) ردیف ''پھرتے ہیں'': حضرت رضاؔ نے اس ردیف میں سولہ اشعار پر مشتمل نعت کہی ہے اور طرزِ ادا نیز بھانت بھانت کے معانی کے جلوے دکھائے ہیں۔ مطلع اس طرح ہے:

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

اس مطلع کے مصرع اولیٰ میں ''پھرنا'' سے مراد ہے ''سیر فرمانا، گل گشت کرنا'' مصرع ثانی میں ''دن پھرنا'' محاورہ ہے یعنی دن بدلنا، تقدیر سنورنا۔ مزید اشعار دیکھیے:

جو ترے در سے یار پھرتے ہیں
در بدر یوں ہی خوار پھرتے ہیں

مصرع اولیٰ میں ''پھرتے ہیں'' سے مراد ہے ''گریز کرنا'' مصرع ثانی میں ''پھرتے ہیں'' سے مراد ہے ''مارے مارے پھرنا'':

ہر چراغ مزار پر قدسی
کیسے پروانہ وار پھرتے ہیں (جان نثار کرنا)

رکھیے جیسے ہیں خانہ زاد ہیں ہم
مول کے عیب دار پھرتے ہیں (مال کا واپس ہونا)

ہائے غافل وہ کیا جگہ ہے جہاں
پانچ جاتے ہیں چار پھرتے ہیں (واپس پلٹنا)

بائیں رستے نہ جا مسافر سن
مال ہے راہ مار پھرتے ہیں (گھات لگائے رہنا)

خلاصۂ کلام

امام احمد رضاؔ نے مختصر اور طویل ردیفوں کو معنویت عطا کر کے اور ان کے توسط سے اپنے طرزِ ادا کے جو مختلف حسین و رنگین جلوے دکھائے ہیں وہ ان کی شعری حرکیت اور شعری عظمت پر دال ہے اور بلاشبہہ و بلا مبالغہ یہ کہنا پڑتا ہے:

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

☆☆☆

سیر چمن رضا

☆مولانا محمد اسحاق رضوی مصباحی، رام پور

اُردو شاعری میں تمام ہی شعرا نے وصف گل و سیر چمن و صبا، بوئے گلستاں، بلبل و قمری، سرو سہی، صیاد، خار، باغ باں، بارش، بہار، نسیم کوئے جاناں، کوچۂ معطر کی تشبیہ و استعارے میں جودت طبع دکھائی ہے۔ امام احمد رضا بریلوی جہاں ایک جید عالم دین ماہر فلسفی شان دار نثر نگار، عظیم مفسر، بے مثال محدث تھے، وہیں وہ ایک معتبر مرتبہ والے اور مسلم اسلوب رکھنے والے شاعر بھی تھے۔ انیسویں صدی کے نصف آخر میں ان کی پیدائش ہوئی یہ زمانہ کہلاتا ہے داغؔ، امیرؔ مینائی، جلالؔ، تسلیمؔ، حالیؔ، اکبرؔ، راسخؔ اور شادؔ کا زمانہ۔ جب امام احمد رضا نے اپنی شاعری شروع کی تو اس وقت ان بزرگ شاعروں کے شاگردوں کا دور شروع ہو چکا تھا۔ جیسے سائلؔ، سیمابؔ، نوحؔ، ریاضؔ، جلیلؔ، مضطرؔ، آرزوؔ اس زمانہ میں مسلمانوں کی انگریزوں کے مقابلہ میں مکمل سیاسی شکست کے باعث اردو شاعری میں قدرے ضعف آ چکا تھا۔ خصوصی طور پر لکھنوی غزل مائل بہ ابتذال تھی۔ جس کے کچھ عرصہ بعد فراقؔ، جگرؔ، اصغرؔ گونڈوی نے نیا لباس پہنایا اور اس کے خدو خال پر غازۂ روشن چمکایا۔ داغؔ، اصغرؔ، حسرتؔ کے بیچ کے دور میں اردو شاعری اور خصوصاً انداز غزل کو کس نے باقی رکھا۔ قدیم استعاروں میں نئی جان کس نے ڈالی۔ زبان کی صفائی کا کام کس نے کیا۔ قصیدے، رباعی کی آبرو کس نے بچائی، اُردو کو پاک عشق سے کس نے معطر کیا۔ چمن غزل کی خاص کیاری یعنی نعت کے پھول کس نے کھلائے؟ مبالغہ نہ کرتے ہوئے ہم کو اتنا تسلیم کرنا چاہیے کہ یہ سب اگر دوسرے شاعروں نے کیا تو ان سب سے زیادہ حصہ رضاؔ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

شاعری کو عرش بریں تک پہنچایا۔ نئے استعارہ بے مثال تخیل دِل کو بھاتی ہوئی صنعتیں صاف اور ستھری کوثر و تسنیم سے دُھلی ہوئی زبان میں عشق رسالت کی شراب طہور کو پیش کیا۔ جس کے نشۂ وحدت سے آج تک پوری دُنیا کی فضائیں مخمور ہیں۔ میدانِ سخن تنگ ہوتے ہوئے بھی ان کا تخیل اتنا وسیع ہے کہ اس میں عرش سے فرش تک کا سارا گلشن ہستی سما جاتا ہے۔ کاکل و ابرو بھی ہیں۔ گیسوئے دراز بھی

ہیں۔سروسہی بھی ہیں۔لالہ زار بھی ہیں۔نور کے کٹورے بھی ہیں۔وہاں ابر رحمت کے جھالے برستے ہیں۔ہالۂ رُخِ قمر میں رُخ محبوب سے رحمت کی تمنا بھی ہے،دامن محبوب کی ٹھنڈی ہوا بھی،عاشقانِ سوختہ بھی،وہاں سخی کے در بھی اور فقیر بھی ہیں۔کوچۂ جاناں سے نسیم بھی آتی ہے۔وہاں عاشق صادق محبوب کے دیار کے خار کو بھی اپنے دل میں اُتارنا چاہتا ہے ان کے اشعار کی دُنیائے تخیل ایک حقیقت ہے۔ایک چمن ہے۔ایک زندگی ہے۔ان کا ایک محبوب ہے جس کا ادب ہر ادب سے بالا ہے،اس کی شانِ ثنا اور راہِ وصف تلوار سے تیز اور بال سے باریک ہے۔رضا بریلوی اس ایک نقطہ کو وسعت دے کر چمن بنادیتے ہیں اور اس میں اتنی بہاریں کہ اُردو کی تمام شاعری کو جمع کیا جائے تو بھی گل و بلبل و عطر بوئے کوچۂ جاناں کی اتنی مہک نہ رکھ سکے جتنی کہ چمن رضا میں ہے۔رضا بریلوی کے چمن میں گل ایسا گل ہے کہ اس کی خوشبو نے تمام پھولوں کو چھپالیا،اور اپنی چمک،نور،خوشبو سے مہکایا ہے۔ ؎

نہ رکھی گل کے جوشِ حسن نے گلشن میں جا باقی چٹکتا پھر کہاں غنچہ کوئی باغ رسالت کا

مگر اس گلشن میں اس روئے خوب کے سائے ہیں۔حسن و حسین ایسے غنچہ کھلے ہیں اور اس چمن کے مبارک پودے اپنی شاخ طوبیٰ کو بڑھاتے رہے یہاں تک کہ شجرۂ رحمت الٰہی ایک مبارک درخت ہے جس کی جڑ مدینہ شریف میں ہے اور شاخیں سارے عالم میں ہیں۔رضا بریلوی اس شجرۂ مبارک کی شاخوں کے سامنے چمن نبوت کے گل کی یاد میں جنت کے پھولوں کو روبہ رو کر کے ایک بلبل وارفتہ اور ایک عندلیب ہزار داستاں ہے۔اور ایسے ایسے دل گیر نغمے کی شیرینی ہمارے کانوں میں گھولتے ہیں کہ تمام اُردو شاعری کے گلستاں اس کی مہک سے جھوم جھوم اُٹھتے ہیں۔ ؎

گونج گونج اُٹھے ہیں نغماتِ رضاؔ سے بوستاں
کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے
یہی کہتی ہے بلبل باغ جناں کہ رضاؔ کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصف شاہ ہدیٰ مجھے شوخیٔ طبع رضاؔ کی قسم

تو اُردو شاعری میں چمن کا تخیل جو امام احمد رضا بریلوی نے نقش کیا ہے۔اس کی مثال شاید اُردو شاعری میں نہ مل سکے،آیئے آپ بھی میرے ساتھ اس باغ جناں کی سیر کو چلیے اور نعت کی مبارک خوشبو سے مہکتے جایے۔رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس چمن کی عطر بیز فضاؤں میں اپنے پیارے غوث

یعنی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے سرتاج ولایت کا سہرا باندھا ہے اور اس دِل گیر منظر کو عقیدت واُلفت کے ساتھ پیش نظر کیا ہے کہ ساتھ میں قاری شعروں کے الفاظ میں مست نشۂ بہار ہوجاتے ہیں۔ ؎

شجر سروسہی کس کے اُگائے تیرے — معرفت پھول سہی کس کا کھلایا تیرا
تو ہے نوشاہ براتی ہے یہ سارا گل زار — لائی ہے فصلِ سمن گوندھ کے سہرا تیرا
ڈالیاں جھومتی ہیں رقص خوشی جوش پہ ہے — بلبلیں جھولتی ہیں گاتی ہیں سہرا تیرا
گیت کلیوں کی چٹک غزلیں ہزاروں کی چہک — باغ کے سازوں میں بجتا ہے ترانا تیرا
صف ہر شجرہ میں ہوتی ہے سلامی تیری — شاخیں جھک جھک کے بجالاتی ہیں مجرا تیرا
کس گلستاں کو نہیں فصل بہاری سے نیاز — کون سے سلسلہ میں فیض نہ آیا تیرا

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قطب الاقطاب سردار اولیاے جہاں ہیں۔ اور تمام شجروں اور سلسلوں کی شاخوں میں آپ کی عظمت کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ تمام سلسلوں کے عقیدت مند آپ کا نام ادب سے لیتے ہیں دُنیا میں لاکھوں محفلوں میں آپ کا تذکرہ ہوتا ہے۔ ان مجلسوں کو باغ، عقیدت مندوں کو بلبلیں، سلسلوں کے فروع کو صف ہر شجرہ، بیعت کے سلسلہ کو فصل گلستاں، محبت سے سیّدالاولیا کے لقب کو فصل سمن باندھ لائی سہرا تیرا، بزرگوں کے سلسلوں کی ان سے متعلق عقیدت مندوں کو آپ سے محبت کے اظہار کے جوشِ خوشی سے جھومنا، کے خیال کو تخیل بنا کر چمن کی حقیقت بنانے کا کام رضا بریلوی کا ہے۔ اس تخیل میں ہندوستانی فضاؤں میں مست ہوجاتے ہیں۔ چمن کی بہار، ڈالیوں کا جھومنا، بلبلوں کا جھولنا، پھولوں کا سہرا، قطار در قطار سروسہی کے تناور اور خوش قامت درخت، گلستاں کا جوبن، فصل بہار کی آمد، ہزار پرندہ کا چہکنا، بلبلوں کے گانے، یہ تمام مناظر کو ہندوستان کے خالص روایت اور جغرافیہ، یہاں کے موسم اور عادات سے اخذ کیا گیا ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر سیّدالاولیا الجیلانی البغدادی کے قصیدہ میں ہندوستان کے فضاؤں کا عطر رضا بریلوی نے لے کر تمام دُنیا کے سامنے پیش کیا۔ محبت، گل، گلشن، بہار، نوشۂ سہرا، وغیرہ وہ منظر ہیں جن سے پاک محبت میں بہار آتی ہے اور اسی تخیل کا سہارا رضا بریلوی نے عقیدت کے اظہار کے لیے اختیار فرمایا ہے۔

انبیاے کرام کی مبارک جماعت کے ساتھ رضا بریلوی نے باغ رسالت کا تخیل دیا ہے۔ اس

تمام سلسلہ کو باغ رسالت کہا ہے۔ بہت سے اشعار میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو گل باغ رسالت کا تصور دیا ہے۔ ع

گل باغ رسالت پہ لاکھوں سلام

عقیدۂ ختم نبوت کو چمن سے منسلک کر کے ایسا تصور فرمایا ہے۔ جو ان کی شاعری کی عظمت کو سلام کرنے پر قلم کو مجبور کرتا ہے۔ ؎

نہ رکھی گل کے جوش حسن نے گلشن میں جا باقی — چٹکتا پھر کہاں غنچہ کوئی باغ رسالت کا

مدینہ منورہ کو چمن محبوب اور سارے عرب کو گلشن کہنا یہ بھی رضا کا خاص تخیل ہے۔ ؎

طیبہ کے سوا سب باغ پامال فنا ہوں گے — دیکھو گے چمن والو! جب عہد خزاں آیا

مدینہ شریف کی حاضری میں دیدار محبوب نہ ہوا صرف حاضری ہوئی۔ اس نامرادی اور ناکامی کی سوزش نے یہ کہنے پر مجبور کیا۔ ؎

نہ روئے گل ابھی دیکھا نہ بوئے گل سونگھی — قضا نے لا کے قفس میں شکستہ بال کیا

بلبل خود رفتہ چمن کو روانہ ہوتی ہے۔ ہزار تمناؤں کے ساتھ بے شمار جذبات اور مرادوں کے ساتھ صیاد قضا دیدار گل سے پہلے ہی گرفتار کر کے بال و پر سے شکستہ کر کے مبتلائے قفس کر دیتا ہے۔ بغیر دیدار محبوب کے مدینہ سے واپس یہ تخیل، چمن، گل، بال و پر سے شکستہ بلبل، بوئے گل سے محرومی، روئے گل سے نامرادی، جس طرح عقیدت و محبت سوزش عشق و درد کی ٹیس کو بتاتی ہے اسی طرح تخیل چمن کی ایک لاجواب مثال ہے۔ جس کا عکس کچھ جگر کے اس شعر میں آتا ہے۔ ؎

جب چمن سے لے چلا صیاد کر کے ہم کو قید — دور تک مڑ مڑ کے کوئے گلستاں دیکھا کیے

پھر سوزش درد عشق حد کو پار کر جاتا ہے تو صیاد قضا سے عتابانہ انداز میں فرماتے ہیں۔ ؎

چمن سے پھینک دیا آشیانۂ بلبل — اُجاڑا خانۂ بے کس بڑا کمال کیا

گلستان عرب اور چمن طیبہ ایسے چمن ہیں کہ کہیں بہار ہو نہ ہو وہاں بہار رہے گی۔ خزاں کا ظالم ہاتھ سارے گلستاں کو خزاں رسیدہ کر دے مگر چمن طیبہ کے پھولوں کی بہار اس کی خرد برد سے پاک اور محفوظ رہیں گے حدیث شریف کی کتابوں ترمذی شریف، بخاری شریف، مشکوٰۃ شریف وغیرہ میں قرب قیامت بھی مدینہ طیبہ کو فتنوں سے محفوظ رہنے کی خوش خبری دی گئی ہے۔ اس دینی خوش خبری کو

شاعری میں تخیل کے موتیوں سے رضا بریلوی نے سجایا ہے۔ ؎

فصل گل لاکھ نہ ہو وصل کی رکھ آس ہزار　　　پھولتے پھلتے ہیں بے فصل گلستانِ عرب

صدقے ہونے کو چلے آتے ہیں لاکھوں گل زار　　　کچھ عجب رنگ سے پھولا ہے گلستانِ عرب

چرچے ہوتے ہیں یہ کمھلائے ہوئے پھولوں میں　　　کیوں یہ دن دیکھتے پاتے جو بیابانِ عرب

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے بلبل شیدائی ہیں اور مدینہ چمن ہے۔ ؎

جوبنوں پر ہے بہار چمن آرائی دوست　　　خلد کا نام نہ لے شیدائی دوست

شجرۃ القدس، سیّد الکونین صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عالم، حضرت سیّدہ زہرا، امام حسن، امام حسین، حضرت صدیق و فاروق وعثمان وحیدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ذاتِ اقدس سرکار کے قامت مبارک، رخسار ولب مبارک و چہرۂ انور کی چمک اور بہار، آل احمد سے عمر کے آخری حصہ میں مدد کی درخواست اِن تصورات و معتقدات کو چمن، شاخ، شاخِ قامت، نخل دل، نیناں کا برسنا، بہار کا آنا، شاخ کا مہکنا، آخری وقت جیسے کلمات سے چمن کا تخیل پرویا ہے۔ اِس پورے سینریو میں عرش سے فرش تک، گل سے نخل تک اور بہار سے خزاں تک تصوراتی سفر کو قاری بڑی آہستہ روی سے طے کرتا ہے۔ ؎

طوبیٰ میں جو سب سے اونچی نازک سیدھی نکلی شاخ
مانگوں نعت نبی لکھنے کو روحِ قدس سے ایسی شاخ
مولیٰ گلبن رحمت زہرا سبطین اس کی کلیاں پھول
صدیق و فاروق وعثماں، حیدر ہر اک اس کی شاخ
شاخِ قامت شہ میں زلف وچشم و رخسار ولب ہیں
سنبل نرگس گل پنکھڑیاں قدرت کی کیا پھولی شاخ
اپنے ان باغوں کا صدقہ وہ رحمت کا پانی دے
جس سے نخلِ دل میں ہو پیدا پیارے تیری ولا کی شاخ
یاد رخ میں آہیں کر کے بن میں مَیں رویا آئی بہار
جھومیں نسیمیں نیساں برسا کلیاں چٹکیں مہکی شاخ

ظاہر وباطن اول و آخر زیب فروع و زین اصول
باغِ رسالت میں ہے تو ہی گل غنچہ جڑ پتی شاخ
آل احمد خذبیدی یا سیّد حمزہ کن مددی
وقت خزان عمرِ رضاؔ ہو برگ ہدیٰ سے نہ عاری شاخ

حضرت جبرئیل علیہ السلام مدینہ طیبہ میں عرش بریں سے نازل ہوتے تھے، رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے تشریف لانے، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل پاک میں عرض گزار ہونے کے خیال کو وسعت دے کر بڑی خوب صورتی سے چمن وبلبل کے تخیل سے ملا کر معراج عطا کر دی ہے۔ ؎

چمن طیبہ ہے وہ باغ کہ مرغِ سدرہ برسوں چہکے ہیں جہاں بلبل شیدا ہوکر

چمن اور گل کے تخیل سے رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے مضامین میں جدت، تخیل میں وسعت اور تشبیہات میں ندرت پیدا کی ہے، جو ایک طرف حقیقت سے دور نہیں تو دوسری طرف ایک طرفہ جدت بھی ہے۔ مندرجہ ذیل نعت شریف میں گل، دل کو یاد میں گلِ شگفتہ وگل وبلبل، غازۂ شوق، شبنم، برق جمال گل، عطر جمال گل، عنادل جیسے مترنم کلمات سے، نعت شریف، عرض حال، عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم جیسے مفاہیم کو ایک مشتقانہ رنگینی عطا کی ہے۔ اور الفاظ میں ہشت بہشت کی بہار اُتار دی ہے۔ ؎

کیا ٹھیک ہو رخِ نبوی پر مثالِ گل
پامالِ جلوۂ کف پا ہے جمالِ گل
جنت ہے اُن کے جلوہ سے جویائے رنگ و بو
اے گل ہمارے گل سے ہے گل کو سوالِ گل
ان کے قدم سے سلعۂ غالی ہوئی جناں
واللہ میرے گل سے ہے جاہ و جلالِ گل
سنتا ہوں عشق شاہ میں دل ہوگا خوں فشاں

یارب یہ مژدہ سچ ہو مبارک ہو فالِ گل
بلبل حرم کو چل غم فانی سے فائدہ
کب تک کھے گی ہائے وہ غنچ و دلالِ گل
غمگیں ہے شوق غازۂ خاک مدینہ میں
شبنم سے دُھل سکے گی نہ گرد ملال گل
بلبل یہ کیا کہا مَیں کہاں فصل گل کہاں
اُمید رکھ کہ عام ہے جود و نوالِ گل
بلبل گھرا ہے اَبر ولا مژدہ ہو کہ اب
گرتی ہے آشیانہ پہ برقِ جمالِ گل
یارب ہرا بھرا رہے داغ جگر کا باغ
ہر مہ مہِ بہار ہو ہر سال سالِ گل
رنگ مژہ سے کر کے خجل یادِ شاہ میں
کھینچا ہے ہم نے کانٹوں پہ عطر جمالِ گل
میں یاد شہ میں رووٗں عنادل کریں ہجوم
ہر اشک لالہ فام پہ ہو احتمالِ گل
ہیں عکس چہرہ سے لب گلگوں میں سرخیاں
ڈوبا ہے بدرِ گل سے شفق میں ہلالِ گل
نعت حضور میں مترنم ہے عندلیب
شاخوں کے جھومنے سے عیاں و جدو حالِ گل
بلبل گلِ مدینہ ہمیشہ بہار ہے
دو دن کی ہے بہار فنا ہے مآلِ گل
شیخین اِدھر نثار غنی و علی اُدھر

غنچہ ہے بلبلوں کا سمین و شمالِ گل
چاہے خدا تو پائیں گے عشقِ نبی میں خلد
نکلی ہے نامۂ دلِ پُر خوں میں فالِ گل
کر اس کی یاد جس سے ملے چین عندلیب
دیکھا نہیں کہ خار الم ہے خیالِ گل
دیکھا تھا خواب خارِ حرم عندلیب نے
کھٹکا کیا ہے آنکھ میں شب بھر خیال گل
ان دو کا صدقہ جن کو کہا میرے پھول ہیں
کیجئے رضاؔ کو حشر میں خنداں مثالِ گل

پھول سے تشبیہ دینا کوئی نئی چیز نہیں ہے۔مگر با کمال شاعر کا کمال معنی و مفہوم کو جدت اور نئی جہت عطا کر کے بلندیوں تک پہنچانا ہوتا ہے۔ ہمارے شاعر نے پھول کے مفہوم کو کس کس طرح سے نئی جہتیں عطا کی ہیں اور اپنے محبوب کے سراپا میں کس کس رنگ کے پھول بھرے ہیں دیکھیے۔ ؎

سر تابقدم ہے تن سلطان زمن پھول
لب پھول دہن پھول ذقن پھول بدن پھول
صدقے میں ترے باغ تو کیا لائے ہیں بن پھول
اس غنچۂ دِل کو بھی تو ایما ہو کہ بن پھول
تنکا بھی ہمارے تو ہلائے نہیں ہلتا
تم چاہو تو ہو جائے ابھی کوہ محن پھول
واللہ جو مل جائے مرے گل کا پسینہ
مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دُلہن پھول
دل بستہ و خوں گشتہ نہ خوشبو نہ لطافت
کیوں غنچہ کہوں ہے مرے آقا کا دہن پھول

شب یاد تھی کن دانتوں کی شبنم کہ دم صبح
شوخانِ بہاری کے جڑاؤ ہیں کرن پھول

دندان و لب و زلف و رُخ شہ کے فدائی
ہیں درِّ عدن ، لعل یمن ، مشکِ ختن پھول

بو ہو کے نہاں ہو گئے تابِ رُخِ شہ میں
لو بن گئے ہیں اب تو حسینوں کا دہن پھول

ہوں بارِ گنہ سے نہ خجل دوش عزیزاں
للہ مری نعش کر اے جان چمن پھول

دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخن پا کا
اتنا بھی مہِ نو پہ نہ اے چرخ کہن پھول

دِل کھول کے خوں رو لے غم عارض شہ میں
نکلے تو کہیں حسرتِ خوں نا بہ شدن پھول

کیا غازہ ملا گرد مدینہ کا جو ہے آج
نکھرے ہوئے جوبن میں قیامت کی پھبن پھول

گرمی یہ قیامت ہے کہ کانٹے ہیں زباں پر
بلبل کو بھی اے ساقی صہبا و لبن پھول

ہے کون کہ گریہ کرے یا فاتحہ کو آئے
بے کس کے اُٹھائے تری رحمت کے بھرن پھول

کیا بات رضاؔ اس چمنستانِ کرم کی
زہرا ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول

اپنی اس سحر بیانی کا احساس خود رضا کو بھی تھا۔ کیوں کہ وہ ذوق شعر رکھتے تھے اور تنقید و تنقیش کا شعور بھی۔ لیکن اپنے اس جذبے کے ذکر کے لیے بھی ہمارے شاعر نے گلشن و بلبل و جناں و گلستاں کے استعارہ کو وسعت تخیل میں تبدیل کیا۔ ؎

یہی کہتی ہے بلبل باغ جناں کہ رضاؔ کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصف شاہِ ہدیٰ مجھے شوخیِ طبع رضاؔ کی قسم

گل چمن میں ہوتا ہے۔ چمن میں ہی بہار اور خار دشت ہیں، ہجر و وصال، تمنائے وصال کے مفہوم کو دشت چمن گل، حرماں، خار کے تخیل میں مناسبت اور پھر اس سے فسون تکلم و نکتہ سازی کی ہے ہمارے شاعر نے جس سے ہم جذبۂ شوق اور دل کی تڑپ کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ ؎

تجھ سے اے گل میں ستم دیدۂ دشتِ حرماں   خلش دل کی کہوں یا غم خارِ دامن

دل بستہ کہ امیدیں پوری نہ کر سکے، بے قرار کہ ہجر میں تپاں ہو، جگر چاک کہ محروم تسلی ہو، اشک بار کہ دیدۂ تر رواں ہو۔ اس مفہوم کو غنچۂ گل، برق تپاں اور سحاب، برسانے والے بادل کی تشبیہات سے ہجر میں دل عاشق پر صادق ہونے والے احوال کو ایسا مناسب پرویا کہ وضاحت اور گہرائی سوزش و خوشی کا ملا جلا احساس اُبھرتا جاتا ہے۔ ؎

دل بستہ بے قرار جگر چاک اشک بار
غنچہ ہوں گل ہوں برق تپاں ہوں سحاب ہوں
باغ میں شکر وصل تھا ، ہجر میں ہائے ہائے گل
کام ہے ان کے ذکر سے خیروہ یوں ہوا کہ یوں

باغ، سرو، قمری، گونجنا، چہچہانا، نسیم، ہوا، جان غم زدہ، سوزش غم، کسی جان غم زدہ سوزش میں مبتلا کے لیے آرام دہ جگہ باغ ہی ہے۔ جب ٹھنڈی ٹھنڈی بھینی بھینی نسیم و صبا سے دل یوں ہی کھلتے چلے جاتے ہیں۔ جیسے صبح کو بستہ کلیاں اور غنچے اس مناسبات کو عشق اور دیدار، یادِ محبوب، ذکر دیارِ محبوب، اور دوری میں تڑپنا، ذکر محبوب سے اور دیدار حبیب سے دل غم زدہ کا کھل اُٹھنا، کے مفاہیم کو ادا کرنے کے لیے رضا بریلوی نے استعمال فرمایا ہے چمن کے احوال کو ؎

باغ عرب کا سرو ناز دیکھ لیا ہے ورنہ آج
قمری جانِ غم زدہ گونج کے چہچہائی کیوں
نام مدینہ لے دیا چلنے لگی نسیم خلد
سوزش غم کو ہم نے بھی کیسی ہوا بتائی کیوں

الغرض رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے گلشن، گل، بلبل، عندلیب، قمری، سروِجاں، غزل، کلی، باغ، خاردشت، نسیم، چمن، صبح کے وقت کی بہار، جوبن، مہک اُٹھنا، خوشبو، کوئے دوست جیسی اشیا کے تصورات سے نہایت بلند تخیل ترتیب دیے ہیں اور ان تمام تشبیہات سے اسلامی عقائد، مرتبۂ رسالت، عقیدۂ ختم نبوت، نعتِ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم، ذکرِ الٰہی، ذکرِ حبیب دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم، ذکر شانِ اہل بیت، ذکرِ شہادت سیّدنا امام حسین، ذکرِ شانِ فاطمۃ الزہرا، اہل عرب کی فضیلت، دیارِ عرب کی فضیلت، حبِ صحابۂ کرام، حبِ اہل اسلام، ذکرِ شانِ ملائکہ، اپنی خطاؤں کی معافی کی طلب، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کی طلب، شانِ شفاعت جیسے مفاہیم کو ادا کیا ہے۔ جب کہ نعت شریف کہنے والے شعرا باوجود صفائی اور پاکی اور اُلفت و علم کے اس طرح کی وسعتِ تخیل تک نہیں پہنچ سکے۔ گل و گلشن کے استعاروں میں جس طرح تصرف رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے اور جس طرح انھوں نے خالص اسلامی مفاہیم کو اس میں ادا کیا ہے یہ ان کا کمال ہی نہیں بلکہ شاعری میں عبقری ہونے کی دلیل ہے۔ ذیل میں کچھ اور اشعار ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

اُن کی مہک نے دِل کے غنچے کھلا دیے ہیں
جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیے ہیں

غنچے مَا اَوْحیٰ کے جو چٹکے دَنیٰ کے باغ میں
بلبلِ سدرہ تک ان کی بُو سے بھی محرم نہیں

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
ترا قد تو نادرِ دہر ہے کوئی مثل ہو تو مثال دے
نہیں جس کے رنگ کا دوسرا نہ تو ہو کوئی نہ کبھی ہوا
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں
نہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں کہ چمن میں سرو چماں نہیں
کہو اس کو گل کہے کیا کوئی کہ گلوں کا ڈھیر کہاں نہیں

جس نخل پاک میں ہیں چھیالیس ڈالیاں
اک شاخ ان میں سے ہے بنام ابوالحسین

چمن طیبہ میں سنبل جو سنوارے گیسو
حور بڑھ کر شکن ناز پہ وارے گیسو

بھینی خوشبو سے مہک جاتی ہیں گلیاں واللہ
کیسے پھولوں میں بسائے ہیں تمہارے گیسو

زمانہ حج کا ہے جلوہ دیا ہے شاہد گل کو
الٰہی طاقتِ پرواز دے پرہائے بلبل کو

اے خار طیبہ دیکھ کہ دامن نہ بھیگ جائے
یوں دل میں آکہ دیدۂ تر کو خبر نہ ہو

اس طرف روضہ کا نور اُس سمت منبر کی بہار
بیچ میں جنت کی پیاری پیاری کیاری واہ واہ

کیا مدینہ سے صبا آئی کہ پھولوں میں ہے آج
کچھ نئی بو بھینی بھینی پیاری پیاری واہ واہ

کوچۂ گیسوئے جاناں سے چلے ٹھنڈی نسیم
بال و پر افشاں ہوں یارب بلبلانِ سوختہ

آتش گلہائے طیبہ پر جلانے کے لیے
گل کھلے گا آج یہ اُن کی نسیم فیض سے

جان کے طالب ہیں پیارے بلبلانِ سوختہ
خون روتے آئیں گے ہم مسکراتے جائیں گے

سرور کہوں کے مالک و مولیٰ کہوں تجھے
باغ خلیل کا گلِ زیبا کہوں تجھے

گل زار قدس کا گل رنگیں ادا کہوں
درمانِ درد بلبلِ شیدا کہوں تجھے

انھیں کی بو مایۂ سمن ہے انھیں کا جلوہ چمن چمن ہے
انھیں سے گلشن مہک رہے ہیں انھیں کی رنگت گلاب میں ہے

وہ گل ہیں لب ہائے نازک اُن کے ہزاروں جھڑتے ہیں پھول جن سے
گلاب گلشن میں دیکھے بلبل یہ دیکھ گلشن گلاب میں ہے

ترا قد مبارک گلبنِ رحمت کی ڈالی ہے
اسے بو کر ترے رب نے بنا رحمت کی ڈالی ہے

ابو بکر و عمر عثمان و حیدر جس کے بلبل ہیں
مقصود یہ ہیں آدم و نوح و خلیل سے
ظاہر میں میرے پھول حقیقت میں میرے نخل

یہ پیاری پیاری کیاری ترے خانہ باغ کی
بھینی سہانی صبح میں ٹھنڈک جگر کی ہے

ترا سروِ سہی اس گلبن خوبی کی ڈالی ہے
تخمِ کرم میں ساری کرامت ثمر کی ہے

اس گل کی یاد میں یہ صدا بوالبشر کی ہے
سرد اس کی آب و تاب سے آتش سقر کی ہے
کلیاں کھلیں دلوں کی ہوا یہ کدھر کی ہے

بچا جو تلووں کا اُن کے دھوون بنا وہ جنت کا رنگ و روغن
جنھوں نے دولہا کی پائی اُترن وہ پھول گل زار نور کے تھے

وہ باغ کچھ ایسا رنگ لایا کہ غنچہ و گل کا فرق اُٹھایا
گرہ میں کلیوں کے باغ پھولے گلوں کے تکمے لگے ہوئے تھے

گل و غنچہ کے استعارے اور نادر تشبیہات اُردو شاعری میں سب سے زیادہ حکیم مومن خاں مومنؔ دہلوی نے استعمال کیے ہیں۔ مگر رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے نعت کے میدان میں چمن و گلستاں و گل و غنچہ، عندلیب و باغ کے استعاروں سے نوبہ نوع معانی پیدا کیے ہیں۔

ہمارے اس شاعر کا اُردو زبان پر احسان ہے اور انھوں نے جن تخیل کی بلندیوں تک اپنی فکر کو پہنچایا ہے اس سے نعت کا ادب عالمی ادب کے میدان میں عظیم مقام کا مستحق ہوتا ہے۔ بہت سے حضرات نے آپ کی شاعری پر ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ مگر اب بھی ان کی شاعری کے بہت سے ایسے گوشے ہیں جن سے پردہ اُٹھانے کی ضرورت ہے۔

یہ چند صفحات جو میں نے باکمال شاعری کے تعلق سے تحریر کیے صرف محبت اور عقیدت کے پھول ہیں۔ ورنہ ہمارا تو حال یہ ہے کہ نہ کوئی ذوق نہ کوئی علم یہ کام تو بڑے تنقید نگاروں کا ہے، محققین کا ہے، علم عروض و قافیہ کی خوبیاں، معانی و بیاں، بدیع کے کمالات، تاثیر اسلوب، دوسرے شعرا سے موازنہ کے طور پر مطالعہ، نئی ترکیبوں کی ایجاد، نئے مفہوم کا ادا کرنا، زبان کی صفائی، اصلاح، بہت سے میدان ہیں ابھی ہمارے اس شاعر کی شاعری میں تحقیق کے لیے۔

امام احمد رضا امام شعروادب

☆توفیق احسنؔ برکاتی

جملہ اصناف سخن میں نعت نگاری کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے، یقیناً یہ ایک ایسا راستہ عبور کرنا ہے جس کے دونوں طرف خاردار جھاڑیاں اور گہری وادیاں ہیں، اس کی سرحدیں پار کر لیجانا بہت بڑی کامیابی ہے، بہت کم شعرا ہی اس میدان میں پورے طور پر کامیاب ہوئے اور نعت کی جملہ حدود کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے قرطاس وقلم سے ملاقات کی پھر خوش گوار اور پرسکون فضا نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا، انہیں فتح ونصرت کے تمغۂ عظمیٰ سے نوازا گیا۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے بے شمار میدانوں میں اپنی خداداد لیاقت وصلاحیت کا مظاہرہ کیا اور الحمدللہ ان سب میں معونت خداوندی اور فضل ربی سے کامیابی وکامرانی کا علم لے کر واپس ہوئے ،آپ کی علمی لیاقت کو علم وادب کے بڑے بڑے سورماؤں نے تسلیم کیا، نہ صرف تسلیم کیا، بلکہ تحسین وتبریک سے نوازنا ان کی مجبوری بن گئی ،آپ نے علمی وفقہی تحقیقات میں اپنا کوئی شریک وسہیم نہ چھوڑا ۔میدان شعروسخن میں اس بطل جلیل نے جب طبع آزمائی کی تو دوسروں کے لیے سراپا مثال بن گئے ،شعر گوئی کے لوازمات ومطالبات کو اتنی مہارت وخوب صورتی کے ساتھ پورا کیا کہ ہوش وخرد کی قوت پرواز بھی جبین نیاز خم کرنے پر مجبور ہوگئی ،صرف یہی نہیں بلکہ ان اشعار کے اندر استعمال کی گئی تشبیہات وتمثیلات ،استعارات وکنایات ،تعبیرات وترکیبات کو سند کا درجہ حاصل ہوگیا پھر تمام ارباب شعروادب نے بالاتفاق آپ کی شہنشاہیت کو مان لیا جبھی تو آپ نے اس حقیقت کا برملا اظہار فرمایا:

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیے ہیں

جناب عابدؔ نظامی صاحب لکھتے ہیں:

''یہ کوئی شاعرانہ تعلّی نہیں، بلکہ عین حقیقت ہے، ان کے اشعار پڑھتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے فصاحت وبلاغت، حلاوت وملاحت، لطافت ونزاکت یہ سب ان کے ہاں کی لونڈیاں ہیں''(۱)

امام احمد رضا ایک ایسے مخلص عاشق رسول کا نام ہے کہ آج غلامان مصطفی وعاشقان نبی اس عاشق

صادق کے درِ عقیدت والفت پر سوالی بن کر کھڑے نظر آتے ہیں، انداز مانگتے ہیں، والہانہ عشق ومحبت کا سلیقہ طلب کرتے ہیں، درد وسوز کے کیف وکم کا سوال کرتے ہیں۔

امام احمد رضا صرف ایک شاعر ہی نہ تھے بلکہ مقام نبوت کے رمز شناس اور عارف بھی تھے۔ انہوں نے آداب نبوت اور مقام رسالت کا خاص خیال رکھا، طبع آزمائی کی، وارفتگی شوق میں بے خود ہو کر پاکیزہ خیالات کو صفحہ قرطاس پر اتار کر رکھ دیا، شرعی حدود میں رہ کر کوثر وتسنیم میں ڈھلی ہوئی زبان سے اس انداز میں شاعری کی کہ پوری دنیائے شعر وسخن ان کے کلام کو ''امام الکلام'' کلام الامام'' ماننے پر مجبور ہوگئی۔ وجہ تسلیم خاندانی وجاہت وسیادت، شہرت ونام وری اور زود نویسی نہیں، بلکہ عشق کا وہ سوز وگداز اور رنگ وآہنگ ہے جو ان کے ہر ہر شعر سے ٹپکتا، چمکتا، دمکتا دکھائی دیتا ہے۔

بلاشبہ امام احمد رضا ایک قادر الکلام شاعر تھے، عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تب وتاب نے ان کو وہ تابانیاں عطا کیں کہ آسمان سخن پر مہر درخشاں بن کر چمکے اور جذبہ صادق کی رعنائیوں نے ان کی جلوہ نما کرنوں کو سخن وری کی تمام گلی، کوچوں کا سچا راہبر اور نشان منزل بنا دیا۔ عربی، فارسی، اردو، ہندی چار زبانوں میں نعت نگاری کا حسین سنگم آپ کی مشہور زمانہ نعت ''لم یات نظیرک'' الخ،، میں پہلی بار دیکھنے کو ملا، جس نے آپ کی قادر الکلامی، شعر کی جاذبیت ورعنائی، حسن تعبیر وسلاست کی بہترین مثال قائم کر دی کہ شاعری خود پروانہ وار کلام رضا پر نثار ہوگئی اور اس کے وجد آفریں نغموں سے پورا میدان سخن گونج اٹھا۔ بلاشبہ یہ فضل خداوندی اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کرمِ خاص ہے جو امام احمد رضا قدس سرہ کی ذات پر جھما جھم برس رہا ہے جس کی چھینٹوں کی برودت کو پورا عالم زندگی کی معراج مانتا ہے۔

الازہر یونیورسٹی میں شعبۂ اسلامیات کے استاد جناب پروفیسر رزق مرسی ابوالعباس صاحب آپ کی عربی شاعری کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''امام احمد رضا خان عربی نہیں تھے لیکن جب آپ ان کی عربی شاعری پڑھیں گے تو آپ کو خوش گوار حیرت ہوگی کہ ان کے عجمی ہونے کے باوجود ان کی شاعری میں عجمیت کا شائبہ نہیں پایا جاتا، اگر قاری کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ عجمی تھے تو انہیں عربی شاعر گمان کرے گا''۔ (۲)

امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی مبارک ذات جس طرح دنیائے فقہ وتحقیق میں مشتہر ہے بزم شعر وسخن اور محفل علم وادب میں نہ صرف نام رضا بلکہ خاندانِ رضا محتاج تعارف نہیں۔ جس طرح

دین کے فروغ واستحکام اور عقائد واعمال کی درستی واصلاح میں آپ کی خدمات جلیلہ قابل صد تحسین ہیں اسی طرح شعر وادب کے ارتقا اور جدید اسلوب نگارش میں بھی آپ کی کاوشیں تاریخی ہیں۔آپ کی پیش کردہ تحقیقات علمیہ وادبیہ ونوادرات فقہیہ کی اپنی الگ ایک شناخت ہے، ان کا اپنا ایک امتیاز ہے۔آپ کی شعری وادبی تخلیقات کا اسلوب بھی جداگانہ ہے۔

ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ (ایڈیٹر سہ ماہی رضا بک ریویو، پٹنہ) زبان وادب میں آپ کی خدمات پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''چودھویں صدی کے مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اور آپ کے تمام اہل خاندان نے مذہبی وعلمی خدمات کے علاوہ اردو زبان وادب کی جو خدمتیں انجام دی ہیں وہ ناقابل فراموش ہیں، اردو نثر میں امام احمد رضا نے جو کتابیں لکھ دی ہیں وہ کمیت وکیفیت ہر دو اعتبار سے اردو کی پوری تاریخ میں نمایاں ہیں''(۳)

امام احمد رضا قدس سرہ کی ادبی خدمات میں ترجمۂ قرآن ''کنز الایمان'' کا ایک بلند مقام ہے جو اردو زبان وادب میں آپ کی گیرائی وگہرائی کا منہ بولتا ثبوت ہے اور آپ کی مساعیٔ جمیلہ کا بے مثل شاہ کار بھی۔

کنز الایمان کے بارے میں مولانا کوثر نیازی صاحب فرماتے ہیں:

''کنز الایمان تمام اردو تراجم میں عشق افروز اور ادب آموز ترجمہ ہے، یہ عشق رسول کا خزینہ اور معارف اسلامی کا گنجینہ ہے''(۴)

پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب نقش بندی رقم طراز ہیں ''آپ کے ترجمۂ قرآن میں برسوں کی فکری کاوشیں پنہاں ہیں''(۵)

امام احمد رضا قدس سرہ نے یہ ترجمہ باقاعدہ مخصوص نشست میں نہیں کیا، بلکہ حضور صدر الشریعہ کے پیہم اصرار پر انہیں املا کرادیا۔اگر ان کے زہرہ نگار قلم سے باقاعدگی کے ساتھ ترجمہ نگاری کا یہ اہم اور قابل قدر کارنامہ انجام پذیر ہوتا تو اس کی علمیت، جامعیت اور باکمالی کا اندازہ کس طرح لگایا جاتا، امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن اردو کے تمام تراجم میں انفرادی حسن وجمالیات اور ظاہری وباطنی اسرار ورموز کی کہکشاں ہے اور ادبی خدمات میں ایک نمایاں اضافہ۔

امام احمد رضا قادری برکاتی علیہ الرحمۃ والرضوان کو ان کے اجداد، اساتذہ فن اور آقاؤں سے

عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جو حلاوت و لطافت عطا ہوئی، جو سوز و گداز ملا، محبت و الفت کی تب و تاب اور والہانہ شیفتگی کی جو رعنائی ملی اس نے آپ کو امام عشق و محبت بنا دیا اور قلب و فکر میں موجزن وارفتگی نے امام احمد رضا کو قلبی واردات کے اظہار کے لئے شعر و سخن کا ذوق عنایت کیا اور ایک نعت گو شاعر کے روپ میں آپ کی ہمہ جہت شخصیت کا یہ بلند قامت پہلو بھی دنیائے ادب کے سامنے آیا۔

اس سلسلے میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ امام احمد رضا نے اپنے اشعار کے ذریعہ سخن کو بلند اقبال کیا، شاعری کو ایک مقام دیا، ادب و فن کو نئے کیف سے آشنائی بخشی اور شعر و ادب کے نادر دبستاں کو نہ صرف یہ کہ دریافت کیا بلکہ اسے صوری و معنوی حسن عطا کر کے ہر دل عزیز بنا دیا۔

محترم نیاز فتح پوری نے بڑے پتے کی بات کہی، رقم طراز ہیں:

''شعر و ادب میرا خاص موضوع اور فن ہے، میں نے بریلوی کا نعتیہ کلام بالاستیعاب پڑھا ہے، ان کے کلام سے پہلا تاثر جو پڑھنے والوں پر قائم ہوتا ہے وہ مولانا کی بے پناہ وابستگی رسول عربی کا ہے، ان کے کلام سے ان کے بیکراں علم کا اظہار کے ساتھ افکار کی بلندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے، مولانا کے بعض اشعار میں انفرادیت کا دعویٰ بھی ملتا ہے، جو ان کے کلام کی خصوصیت سے ناواقف حضرات کو شاعرانہ تعلّی معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ مولانا کے فرمودات بالکل برحق ہیں، مولانا حسرتؔ موہانی بھی مولانا احمد رضا کی نعتیہ شاعری کے مداح تھے اور معترف بھی'' (۶)

آپ نے شعر و شاعری کے تعلق سے کسی کی شاگردی اختیار نہیں کی، کسی کو اس میدان میں اپنا استاذ نہیں بنایا، بلکہ خداداد علمی لیاقتوں کی دل آویز رنگت و رعنائی اور عشق و محبت کی تابانی و زیبائی نے آپ کو صرف ایک شاعر ہی نہیں بلکہ فکر و فن کا امام اور استاد الشعرا بنا دیا جس کی شہادت آپ کے ہم عصر اور بعد کے ارباب فکر و فن اور والیانِ شعر و سخن دیتے آئے ہیں۔ قرآن کریم سے نعت گوئی سیکھنے والے شاعر اور عاشق صادق کی شاعری اور عشق و محبت کی تو بات ہی کچھ اور ہوگی۔

عظیم نعت گو شاعر سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی ارشاد فرماتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت کی سیرت کا مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے شاعری میں کسی استاد سخن کے آگے زانوئے تلمذ نہیں تہہ کیا، وہ اپنے ہی شاگرد تھے اور اپنے ہی استاذ'' (۷)

پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''مولانا بریلوی باکمال شاعر تھے، وہ تلمیذ رحمان تھے، شاعری میں ان کا کوئی استاد نہ تھا'' (۸)

امام احمد رضا نے اپنی شاعری کے بارے میں خود فرمایا:

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بیجا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

امام احمد رضا کی ادبی خدمات اوران کے زریں کارنامے دنیائے شعر وادب میں اپنی دھمک رکھتے ہیں، اس صفت میں آپ کی پیش کردہ تحقیقات قابل استفادہ ہیں، تاریخ ادب وفن کا باب اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک امام احمد رضا کی اس میدان میں کی گئی کاوشوں کو زیر بحث نہ لایا جائے، متعصب اور تنگ نظر تاریخ نگار بھی بادلِ ناخواستہ اس امام کے تذکرے فراموش نہیں کرسکتا، کوشش ضرور کی گئی، خرد برد سے کام لیا گیا، مگر اس حقیقت کو دبایا جاسکا اور نہ اس سچائی کو چھپایا جاسکا۔

ڈاکٹر غلام مصطفی خاں اس حقیقت کو بے نقاب کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک عاشق رسول یعنی مولانا احمد رضا بریلوی کا ذکر بھی کر دیا جائے جس سے ہمارے ادبا نے ہمیشہ بے اعتنائی برتی ہے، حالاں کہ یہ غالباً واحد عالم دین ہیں جنھوں نے نظم ونثر دونوں میں اردو کے بے شمار محاورات استعمال کیے ہیں اور اپنی علمیت سے اردو شاعری میں چار چاند لگادئے ہیں''(۹)

امام احمد رضا کے دور میں اور ان سے قبل بھی بے شمار شعرا نے صنف نعت میں طبع آزمائی کی، اپنی تخیلات کے جوہر بکھیرے، محسنؔ کاکوری، امیرؔ مینائی، حالیؔ، اقبالؔ، ماہرؔ القادری، حفیظؔ جالندھری وغیرہ اور بہت سارے نعت گو شعرا نے نعتیہ شاعری میں اپنی اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا، اس کی ادبی وفنی جہتوں کو اجاگر کیا، لیکن رضاؔ بریلوی کے اشعار کو دیکھنے، باریک بینی سے اس کا مطالعہ کرنے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ انہوں نے نہ صرف نعتیں لکھیں بلکہ نعت نگاری کی تاریخ رقم کی ہے، صنف نعت کو نئی نئی جہتوں سے آگاہی بخشی، جبھی تو محترم نعیم صدیقی یہ کہنے پر مجبور ہوگئے:

''ان کا تخیل نئی نئی کونپلیں نکالتا ہے اور تشبیہات وتلمیحات سے وہ خوب کام لیتے ہیں''(۱۰)

برجستگی، شگفتہ بیانی اور خوش سلیقگی کے نئے حقائق ملاحظہ کیجیے اور عش عش کر اٹھیے، امام احمد رضا نے اس مبارک صنف کو خوب صورت رنگ وآہنگ سے نوازا، اسلوب نگارش کے حیران کن جزئیات

اور نادر نکات کو آشکار کیا، جبھی تو امام الکلام کا تمغۂ عظمیٰ نصیب ہوا جس کا ہر کوئی اعتراف کرتا ہے۔

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی صدر شعبۂ علوم اسلامیہ ہمدرد یونیورسٹی، دہلی رقم طراز ہیں:

''آپ کی شاعرانہ عظمت اور مہارت فن کا اعتراف اردو ادب کے محققین نے کیا ہے، شاعری کے جن اسرار و رموز کو اپنا کر آپ نے اپنی شاعری کو جلا بخشی ہے بیشتر شعرا کے یہاں اس کا فقدان نظر آتا ہے''(۱۱)

محمد رضوان احمد خاں نقشبندی کراچی فرماتے ہیں:

''فاضل بریلوی نے قلمی جہاد کیا، ان کے قلم سے لاکھوں کلمات موتی بن کر نکلے، ہزاروں جملے ادا ہوئے اور سینکڑوں کتابیں وجود میں آئیں اور جب شعر و سخن کی بات کی تو گویا اشعار کا مینھ برسنے لگا''(۱۲)

امام احمد رضا نہ صرف ایک نعت گو شاعر تھے بلکہ عشق و محبت کے آداب و مطالبات کے آئینہ دار تھے، نعتیہ اشعار صرف قلبی جذبات کا اظہار یہ ہی نہ تھے بلکہ ہر ہر شعر کو کوثر و تسنیم میں ڈھل کر، وارفتگیِ شوق کی عطر بیز چھاؤں میں پروان چڑھا کر اردو ادب میں اپنی بادشاہت قائم کر دی اور شعر و سخن کے سرتاج بن گئے، جس نے آپ کی سخن سنجی اور سخن گوئی کو ہر اعتبار سے نمایاں مقام عطا کیا اور عشق رسول کی تابانی نے انہیں فکر و فن کی بلندیوں پر پہونچا دیا، جس کے مطالعہ نے واقعی فکر و فن کو مہمیز دیا اور دلوں کی دنیا میں عجب فضا ہموار کر دی اور ماحولیات کو خوش گوار عناصر سے سجا دیا۔

آپ کا نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' اردو ادب کا عظیم شاہ کار ہے، علمی و فنی اصطلاحات کا حسین گلدستہ ہے، ظاہری و باطنی حسن و دلکشی کا خوب صورت تاج محل اور قرآن و احادیث کی بے مثل ترجمانی کا منہ بولتا ثبوت اور نادر و نایاب پیرایۂ بیان اور لاجواب انداز تخاطب کا سرچشمہ ہے۔

ڈاکٹر ریاض مجید لکھتے ہیں:

''یہ ان کا کمال فن ہے کہ ان کی نعتوں میں مختلف علمی و فنی اصطلاحات و حوالہ جات سطح پر تیرتے پھرتے نظر آتے ہیں''(۱۳)

حدائق بخشش شعر و سخن کا ایک بیش بہا خزانہ ہے، فنی و ادبی آرائش و زیبائش کا انمول موتی، معرفت شعری کا گنجینہ، عقائد و اعمال کی درستی و عمدگی کا سرمایہ اور عشق و محبت کی سبق آموزی کا مایہ ناز استاد ہے۔

امام احمد رضا کے نعتیہ دیوان "حدائق بخشش" پر ایک غیر مسلم مدیر نے یہ اظہار خیال کیا:

"مجھے رام چندر کی قسم کہ گزشتہ دنوں مدرسہ دیو بند میں میں نے دیو بندی حضرات کے مخالف فریق کے رہنما مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی نعتیہ شاعری پر حدائق بخشش نامی کتاب دیکھی تو حیران و ششدر رہ گیا کہ یہ دیو بندی حضرات مولانا امام احمد رضا خاں کو کافر کہتے ہیں اور اسے گالیاں دیتے ہیں، مگر اس کے برعکس مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کا ایک ایک شعر علم و ادب کا مرقع ہے اور حدائق بخشش ایک گنجینۂ حق ہے کہ جسے اہل ادب اگر اپنا اثاثۂ حیات سمجھیں تو بجا ہے"(۱۴)

حدائق بخشش آپ کو پورا نعتیہ دیوان نہیں بلکہ انتخاب کلام ہے، جس کے اندر حمد، نعت، منقبت وغیرہ مختلف اصناف پر مشتمل اشعار دیکھے جا سکتے ہیں، آپ کی حمد نگاری بھی انفرادی مقام لیے ہوئے ہے، حمد یہ اشعار میں بھی سراپائے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نہ صرف رنگت اور جھلک دکھائی دیتی ہے بلکہ سیرت رسول کا ایک جہان آباد نظر آتا ہے، جو نعت در حمد کی کیفیت کا پتہ دیتا ہے۔ مثلاً یہ حمد ؎

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا

تجھے حمد ہے خدایا

اردو، ہندی، فارسی اور عربی چار زبانوں میں کہی گئی نعتیں، اشعار، نظم کی ایک کہکشاں جگمگا رہی ہے، زبان و ادب میں جس کا مقام واقعی بلند و بالا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر غفور شاہ قاسم (میاں والی) ارقام فرماتے ہیں:

"تین جلدوں پر مشتمل اعلیٰ حضرت کا نعتیہ مجموعہ کلام "حدائق بخشش" نہ صرف فکری اور موضوعاتی سطح پر خاصے کی چیز ہے بلکہ فنی حوالے سے بھی اس کا کوئی جواب نہیں، خیالات کی گہرائی اور گیرائی، وسعت اور پھیلاؤ، زبان کی روانی اور سلاست، تشبیہات و استعارات، لفظی و معنوی صنائع و بدائع ہر حوالے سے حدائق بخشش فن کا معجزہ اور سرچشمۂ فیض ہے، ان کا یہ مجموعۂ کلام اردو کے علاوہ فارسی اور ہندی زبان پر بھی ان کے کامل عبور اور دسترس کی ناقابل تردید مثال ہے، مولانا کی پرواز تخیل، رفعت فکر اور قدرت کلام ان کی لکھی نعت کے ہر شعر سے عیاں ہے"(۱۵)

آپ نے نہ صرف زبان و ادب کے بیش بہا کارہائے نمایاں انجام دیے بلکہ اپنے اشعار میں

ادب العالیہ کی جھلک پیش کی ہے اور اپنے کلام کو عشق و محبت کا ایک حسین سر چشمہ بنا کر دکھایا جس نے یہ واضح کر دیا کہ آپ شاعرانہ مذاق ہی نہیں رکھتے بلکہ آداب نبوت اور مقام رسالت کے دانائے راز اور رمز شناس ہیں، بلاشبہہ یہ امام احمد رضا کی خصوصیت ہے، ان کا امتیاز ہے۔

آپ نے صنعات کا بھی برمحل استعمال کیا، پیکر تراشی میں تو بہت آگے نکل گئے، قصیدۂ نور اور قصیدۂ سلامیہ جس کا واضح ثبوت ہیں۔ آپ نے کئی زبان میں اشعار قلم بند کیے لیکن آپ کے اردو کلام سے بھی صحیح معنوں میں وہی لطف اندوز ہو سکتا ہے جسے عربی، فارسی پر عبور ہو اور اس کی اچھی سوجھ بوجھ رکھتا ہو، ایک دو فن ہی نہیں بلکہ بے شمار دقیق سے دقیق فنون و علوم کو اپنی شاعری میں جگہ دی اور ان کے ذریعہ نعت نگاری کو برتا، سیرت نگاری کی، مدح سرائی کی، نعتیہ ادب میں حدائق بخشش کو جو مقام حاصل ہے وہ کسی پر مخفی نہیں، جس نے آپ کا مرتبہ و مقام ہر نعت گو شاعر سے بلند تر کر دیا۔

آپ کی تحقیقات ادبیہ و تخلیقات شعریہ پر ریسرچ کا سلسلہ جاری ہے، مقالات تحریر ہو رہے ہیں، پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں لی جا رہی ہیں، حدائق بخشش کی شروحات لکھی جا رہی ہیں۔ علامہ فیض احمد اویسی نے حدائق بخشش کی مکمل شرح و توضیح تقریباً پچیس جلدوں میں فرمائی ہے۔

علامہ سید حسن میاں مارہروی نے دل کی بات کہہ دی، فرماتے ہیں:

''محدث بریلوی کے ایک ایک شعر پر ڈاکٹریٹ کیا جا سکتا ہے''(۱۶)

شعر و ادب، فکر و فن کے فروغ و ارتقا میں آپ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اردو نعت کے ایک محقق محترم ڈاکٹر ریاض مجید بجا فرماتے ہیں:

''اردو نعت کی ترویج و اشاعت میں ان کا حصہ سب سے زیادہ ہے، کسی ایک شاعر نے اردو نعت پر وہ اثرات نہیں ڈالے جو مولانا احمد رضا خاں کی نعت گوئی نے، انہوں نے نہ صرف یہ کہ اعلیٰ معیاری نعتیں تخلیق کیں، بلکہ ان کے زیر اثر نعت کے ایک منفرد دبستاں کی تشکیل ہوئی''(۱۷)

کیا اب بھی امام احمد رضا کے امام شعر و ادب ہونے میں شبہہ کی گنجائش ہے؟

مآخذ و مراجع

(۱) ماہ نامہ ضیائے حرم لاہور جولائی ۱۹۷۲ ص ۵۴)

(۲) سہ ماہی افکار رضا ممبئی اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵، ص ۷۶)

(۳) ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ، حضور مفتی اعظم کی حمد نگاری، مشمولہ جہان مفتیِ اعظم ممبئی، ص ۶۵۵

(۴) مولانا رضاء المصطفیٰ حبیبی قادری، گلزارِ قادری، انجمن حبیب درسگاہِ اہل سنت، رائے بریلی، ۲۰۰۱ء ص ۲۰۵

(۵) پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، چشم و چراغ خاندانِ برکاتیہ، نوری مشن مالیگاؤں، ص ۱۰

(۶) ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد کراچی، عاشق رسول، ص ۹

(۷) مولانا عبدالستار ہمدانی، عرفان رضا، تقریظ جلیل، رضا دار المطالعہ سیتامڑھی، ص ۱۳

(۸) پروفیسر محمد مسعود احمد، امام اہل سنت، المجمع الاسلامی مبارک پور، ۱۹۹۳ء، ص ۳۸

(۹) راجا رشید محمود ایم۔اے، اقبال و احمد رضا، اعجاز بک ڈپو کولکاتا، ۱۹۸۲ء، ص ۲۳

(۱۰) مولانا یٰسین اختر مصباحی، امام احمد رضا اور رد بدعات، دہلی، ۱۹۹۵ء، ص ۷۹ ۳

(۱۱) ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی، تاریخ مشائخ قادریہ، کتب خانہ امجدیہ دہلی، ۲۰۰۱ء، ص ۳۸۲/۲

(۱۲) معارف رضا، سال نامہ، کراچی، ۲۰۰۳ء، ص ۵۴

(۱۳) معارف رضا کراچی، شمارہ ۱۶، ۱۹۹۴ء، ص/۱۱۴ تاریخ مشائخ قادریہ، ص ۳۸۵/۲

(۱۴) سہ ماہی افکار رضا ممبئی، امام احمد رضا غیر مسلموں کی نظر میں، از ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی،

(۱۵) سید صبیح الدین صبیح رحمانی، نعت رنگ شمارہ ۱۸، اعلیٰ حضرت نمبر ۲۰۰۵ء، ص ۲۶۱

(۱۶) پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد کراچی، محدث بریلوی، ادارۂ تحقیقات کراچی، ص ۸۵

(۱۷) سید صبیح رحمانی، نعت رنگ بحوالہ (اردو میں نعت گوئی ص ۴۲۰) کراچی ۲۰۰۵ء، ص ۴۳

☆☆☆

کلام رضا میں ذکر سادات

☆توفیق احسنؔ برکاتی

اہل بیت عظام وسادات کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی محبت، ان سے نسبت و وابستگی بلا شبہ ایک گنج گراں مایہ ہے، بیش بہا ذخیرہ ہے، صحابہ کرام نے اس نسبت کا احترام کیا، عظمت دی، سروں پر رکھا، دلوں میں بٹھایا، مصنفین و مولفین نے جن کو موضوع سخن وعنوان باب منتخب کیا، مقررین وخطبا نے ان کی عظمتوں کو سراہا، ادبا وشعرا نے جن کی ارادت کو باعث فخر اور توشۂ آخرت مانا، اپنے انداز میں انہیں خراج تحسین وتبریک پیش کیا، بندگان خدا نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے انہیں وسیلہ بنایا، دعائیں کیں، التجائیں کیں، دینی محافل میں ان کے تذکرے ہوئے، ان کے محاسن وکمالات بیان کیے گئے، قرآن وحدیث میں ان کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا، کیا قرآن مجید نے اعلان نہیں کیا، اللہ عزوجل نے ارشاد نہیں فرمایا؟ سنو!

''تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا، مگر قرابت کی محبت''(۱)

اور حضور اقدس نور مجسم سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی تو ارشاد فرماتے ہیں:

''خدا کی قسم! میری قرابت دنیا وآخرت میں پیوستہ ہے''(۲)

ایک دوسری روایت میں حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''کیا حال ہے ان لوگوں کا کہ زعم کرتے ہیں کہ میری قرابت نفع نہ دے گی، ہر علاقہ و رشتہ قیامت میں قطع ہو جائے گا، مگر میرا رشتہ وعلاقہ کہ دنیا وآخرت میں جڑا ہوا ہے''(۳)

ہر دور میں ان کی محبت وعقیدت کو دلوں میں بٹھانے کی جدوجہد ہوئی، نسبت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حصول اور اس میں استحکام و پائیداری کے لیے عابد بھی کوشاں نظر آئے، زاہد بھی، غلام بھی، آقا بھی، بادشاہ بھی، رعایا بھی، استاد بھی، شاگرد بھی، پیر بھی، مرید بھی۔ دراصل یہی نسبت و قرابت دخول جناں کا سبب ہے، ذریعہ ہے، وسیلہ ہے، رسول اعظم علیہ التحیۃ والثنا کی بارگاہ میں برگزیدگی وتقرب کا موثر اور قابل اعتماد واسطہ ہے، خوب صورت ہتھیار ہے، جبھی تو کہنا پڑا، ماننا پڑا، اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا ؂

لے کے جائے گی جناں میں پاک نسبت آپ کی
کہہ رہی ہے خود غلاموں سے یہ جنت آپ کی

شاعر نے یہ بات دلیل کے بغیر نہ کہی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا اور اہل بیت اطہار کی نسبت والفت کو واشگاف کیا:

''ہم اہل بیت کی محبت لازم پکڑو کہ جو اللہ تعالیٰ سے ہماری دوستی کے ساتھ ملے گا وہ ہماری شفاعت سے جنت میں جائے گا''(۴)

چودہویں صدی کے مجدد اعظم، امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی علیہ الرحمۃ و الرضوان واقعی سچے عاشق رسول تھے، مومن کامل تھے، محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معمولی ٹھیس پہنچے، جان ایمان کو ذرہ برابر ضرب لگے، وہ ایمان وایقان کے لیے زہر قاتل ہے، ضرر رساں ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں ادنیٰ گستاخی ناقابل برداشت تھی، جس کا علمی مظاہرہ آپ کی تصنیف کردہ کتب ورسائل وفتاویٰ وخطوط ومکتوبات میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک نسبت وارادت کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی معراج جانا، حیات سرمدی کا عظیم سرمایہ تسلیم کیا، اعلان کیا، پھیلایا، لوگوں کو بتایا، سمجھایا، جبھی تو سب پکار اٹھے ؎

ڈال دی قلب میں عظمت مصطفیٰ
سیدی اعلیٰ حضرت پہ لاکھوں سلام

امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے ملفوظ وصایا میں ارشاد فرمایا:

''جس سے اللہ و رسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو فوراً اس سے جدا ہو جاؤ، جس کو بارگاہ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال پھینک دو''(۵)

امام احمد رضا قادری برکاتی کو اہل بیت وسادات سے بڑی محبت تھی، عقیدت تھی، لگاؤ تھا، ان کی جوتیوں کو اپنے سر کا تاج سمجھتے تھے، ان کی دل جوئی کو باعث فخر وایمان کا لازمہ گردانتے، ان کی محبت کو شفاعت کا ذریعہ تسلیم کرتے تھے، کیا انہوں نے نہیں فرمایا:

''یہ فقیر ذلیل بحمدہ تعالیٰ حضرات سادات کرام کا ادنیٰ غلام و خاک پا ہے، ان کی محبت ذریعہ نجات وشفاعت جانتا ہے، اپنی کتابوں میں چھاپ چکا ہے کہ سید اگر بدمذہب بھی ہو جائے اس کی تعظیم نہیں جاتی، جب تک بدمذہبی حد کفر تک نہ پہونچے۔ ہاں بعد کفر سیادت نہیں رہتی، پھر اس کی تعظیم حرام ہو جاتی ہے اور یہ بھی فقیر بارہا فتویٰ دے چکا ہے کہ کسی کو سید سمجھنے اور اس کی تعظیم کرنے کے لیے ہمیں اپنے ذاتی علم سے اسے سید جاننا ضروری نہیں، جو لوگ سید کہلائے جاتے ہیں ہم ان کی تعظیم کریں گے۔ ہمیں تحقیقات کی حاجت نہیں، نہ سیادت کی سند مانگنے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے اور خواہی نہ خواہی سند دکھانے پر مجبور کرنا اور نہ دکھائیں تو برا کہنا، مطعون کرنا ہرگز جائز نہیں''(۶)

اپنے فتاویٰ میں متعدد مقامات پر سادات کرام کی عزت وتکریم کی تلقین فرمائی، حکم دیا اور ان کی ناقدری کو حرام قرار دیا، اپنے ایک فتویٰ میں یوں رقم طراز ہیں:

''سادات کرام کی تعظیم فرض ہے''(۷)

ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

''سنی سید کی بے توقیری سخت حرام ہے اور اس میں شک نہیں کہ جو سید کی تحقیر بوجہ سیادت کرے وہ مطلقاً کافر ہے''(۸)

امام احمد رضا قدس سرہ شاعری میں امام، اقلیم سخن کے تاج دار نظر آتے ہیں، تحدیث نعمت کے بطور جبھی تو ارشاد فرمایا:

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دئے ہیں(۹)

نعتیہ کلام کے ساتھ ساتھ حمد، منقبت، رباعی وغیرہا اصناف سخن میں خامہ فرسائی کی اور خوب لکھا، اپنے قصیدۂ سلامیہ کے اندر سیرت رسول، سراپائے رسول کا اس انداز سے نقشہ کھینچا کہ دل باغ باغ ہو جاتا ہے، مولانا کوثر نیازی نے جس کے بارے میں کہا:

''میں بلاخوف تردید کہتا ہوں کہ تمام زبانوں اور زمانوں کا پورا نعتیہ کلام ایک طرف اور شاہ احمد رضا کا سلام ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' ایک طرف، دونوں کو ایک ترازو میں رکھا جائے تو احمد رضا کے سلام کا پلڑا پھر بھی جھکا رہے گا''(۱۰)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت اطہار وسادات کرام کی شان والا صفات میں بڑے اچھے انداز و اسلوب میں گلہائے عقیدت پیش کیا، انوکھے لب و لہجے میں ان کا ذکر جمیل کیا، ارشاد فرماتے ہیں:

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا (۱۱)

امام احمد رضا قدس سرہ کو سادات کرام سے بے پناہ محبت وعقیدت تھی، آپ کا دل حب اہل بیت سے سرشار رہتا، اپنے اشعار میں بے شمار جگہوں پر ان نفوس قدسیہ کا تذکرہ فرمایا۔

نبی محترم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی لخت جگر، نور نظر خاتون جنت حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کی عظمت و بزرگی کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، جن کے مقام ومرتبہ کو ناپا نہیں جاسکتا، ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا:

''ان کا نام فاطمہ اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ان کی تمام ذریت کو نار پر حرام فرما دیا''(۱۲)

دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

''اللہ عزوجل نے اس کا نام فاطمہ اس لیے رکھا کہ اسے اور اس سے محبت کرنے والوں کو آتش دوزخ سے آزاد فرمادیا''(۱۳)

امام احمد رضا نے آپ کی شان اقدس میں یوں نذرانہ عقیدت پیش کیا:

جس کا آنچل نہ دیکھا مہ و مہر نے
اس ردائے نزاہت پہ لاکھوں سلام (۱۴)

سیدہ ، زاہرہ ، طیبہ ، طاہرہ
جان احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام (۱۵)

اسی طرح اور کئی اشعار آپ کے مناقب میں پیش فرمائے، طوالت کے خوف سے بطور نمونہ دو پر اکتفا کیا گیا، مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان وعظمت کیا کہنا؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے علی! سب سے پہلے وہ چار کہ جنت میں داخل ہوں گے میں ہوں اور تم اور حسن و حسین اور ہماری ذریت ہماری پس پشت ہوگی''(١٦)

حضرت علی مرتضیٰ کو حسنین کریمین کے والد ہونے، جگر گوشۂ بتول کا خاوند ہونے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا داماد ہونے کا شرف حاصل ہے، شجاعت و بہادری میں آپ کی مثال پیش کی جاتی ہے، آپ کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''حضرت علی کے مقابل کوئی جوان نہیں اور ان کی تلوار ذوالفقار کے سامنے کوئی تلوار نہیں''(١٧)

مولائے کائنات کی شان عالی میں امام اہل سنت یوں لب کشائی فرماتے ہیں ؂

مرتضیٰ شیر حق اشجع الاشجعین
ساقی شیر وشربت پہ لاکھوں سلام (١٨)
اصل نسل صفا ، وجہ وصل خدا
باب فضل ولایت پہ لاکھوں سلام (١٩)

امام احمد رضا نہایت عجز وانکسار کے ساتھ اہل بیت کی شان میں مدح سرائی کرتے ہیں ؂

پارہ ہائے صحف غنچہ ہائے قدس
اہل بیت نبوت پہ لاکھوں سلام(٢٠)
آب تطہیر سے جس میں پودے جمے
اس ریاض نجابت پہ لاکھوں سلام(٢١)

جنتی جوانوں کے سردار حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فضائل ومناقب میں بے شمار اقوال رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم موجود ہیں، ارشاد رسالت ہے:

''حسن وحسین جوانان جنت کے سردار ہیں اور ان کے والدان سے افضل ہیں''(٢٢)

مزید فرماتے ہیں ''حسن وحسین دونوں میرے دنیاوی پھول ہیں''(٢٣)

امام احمد رضا قدس سرہ نے احادیث کی ترجمانی کرتے ہوئے کس خوب صورت انداز میں خراج عقیدت پیش کیا اور میدان حشر میں ان کا صدقہ مانگا، فرماتے ہیں ؂

ان دو کا صدقہ جن کو کہا میرے پھول ہیں
کیجئے رضا کو حشر میں خنداں مثال گل(٢٤)

کیا بات رضا اس چمنستان کرم کی
زہرا ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول (۲۵)

ان کے علاوہ الگ الگ کئی مقام پر شہید کربلا امام حسین اور حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی جناب میں نذرانۂ عقیدت نچھاور کیا اوران پر سلام کا گلدستہ پیش کیا۔

فخر السادات حضور غوث اعظم سید شاہ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں آپ نے کئی منقبتیں تحریر فرمائیں، کئی قصائد لکھے، ہاشمی گھرانے کے اس عظیم چشم و چراغ سے التجائیں کیں، استعانت و استمداد کی، ارقام فرماتے ہیں ؎

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا(۲۶)
اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹہ تیرا(۲۷)

نسبت قادری پر آپ کو بے حد ناز تھا، جبھی تو ارشاد فرماتے ہیں:

قادری کر، قادری رکھ، قادریوں میں اٹھا
قدر عبدالقادر قدرت نما کے واسطے(۲۸)

قصیدہ سلامیہ میں بھی حضور غوث کا ذکر جمیل کیا اور سلام محبت پیش فرمایا۔ مارہرہ مقدسہ کے بزرگ سادات، اپنے آقاؤں کی بارگاہ میں، پیر و مرشد کی جناب میں قصیدہ سلامیہ میں، شجرۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں خراج تحسین و محبت پیش کیا، فرماتے ہیں اور بارگاہ الٰہی میں عرض گزار ہیں:

دوجہاں میں خادم آل رسول اللہ کر
حضرت آل رسول مقتدیٰ کے واسطے
کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضاؔ
بول بالے میرے سرکاروں کے

کلام رضاؔ میں ذکر سادات، اور احترام سادات کے جابجا نمونے ملتے ہیں، چند کا یہاں تذکرہ کیا گیا، قارئین بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

☆☆☆

ماخذ و مراجع

(۱)القرآن الکریم،شوریٰ ۴۲،آیت ۲۳
(۲)امام احمد بن حنبل،مسند احمد بن حنبل،ص ۱۸/ ۳
(۳)البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر،ص ۸۱/ ۷
(۴)امام احمد رضا قادری،جامع الاحادیث،ص ۵۹۴/ ۴
(۵)مولانا ظفر الدین رضوی،حیات اعلیٰ حضرت،ممبئی،ص ۲۸۴/ ۳
(۶)امام احمد رضا قادری،فتاویٰ رضویہ،ممبئی،ص ۱۲۵/ ۱۲
(۷)امام احمد رضا قادری،فتاویٰ رضویہ،ممبئی،ص ۱۶۶/ ۹
(۸)امام احمد رضا قادری،فتاویٰ رضویہ،ممبئی، ۱۳۱/ ۹
(۹)امام احمد رضا قادری،حدائق بخشش،دہلی،ص ۴۴/ ۱
(۱۰)مولانا کوثر نیازی،امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت،ص ۲۳
(۱۱)امام احمد رضا قادری،حدائق بخشش،دہلی،ص ۱۱۴/ ۲
(۱۲)امام احمد رضا قادری،جامع الاحادیث،ص ۵۹۵/ ۴
(۱۳)اما احمد رضا قادری،جامع الاحادیث ص ۵۹۷/ ۴
(۱۴)امام احمد رضا قادری،حدائق بخشش،دہلی،ص ۱۴۵/ ۲
(۱۵)امام احمد رضا قادری،حدائق بخشش،دہلی،ص ۱۴۵/ ۲
(۱۶)امام احمد رضا قادری،جامع الاحادیث،ص ۵۹۲/ ۴
(۱۷)امام احمد رضا قادری،جامع الاحادیث،ص ۵۸۳/ ۴
(۱۸)امام احمد رضا قادری،حدائق بخشش دہلی،ص ۱۴۷/ ۲
(۱۹)امام احمد رضا قادری،حدائق بخشش ص ۱۴۷/ ۲
(۲۰)امام احمد رضا قادری حدائق بخشش ص ۱۴۵/ ۲
(۲۱)امام احمد رضا قادری،حدائق بخشش ص ۱۴۵/ ۲
(۲۲)امام ابوعیسیٰ،محمد بن عیسیٰ،ترمذی شریف ص ۲۱۸/ ۲

(۲۳)امام محمد بن اسماعیل، بخاری شریف،ص ۱/۵۳۰

(۲۴)امام احمد رضا قادری،حدائق بخشش، دہلی،ص ۱/۳۳

(۲۵)امام احمد رضا قادری،حدائق بخشش،ص ۱/۳۴

(۲۶)امام احمد رضا قادری،حدائق بخشش ص ۱/۷

(۲۷)امام احمد رضا قادری،حدائق بخشش ص ۱/۸

(۲۸)امام احمد رضا قادری حدائق بخشش ص ۱/۶۶

(۲۹)امام احمد رضا قادری،حدائق بخشش ص ۱/۶۷

(۳۰)امام احمد رضا قادری،حدائق بخشش ص ۲/۱۶۹

کلام رضا میں تذکرۂ معجزات

☆توفیق احسنؔ برکاتی

مجدد اعظم ،فقیہ اسلام ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ العزیز (ولادت ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء وفات ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کی بلند قامت شخصیت اور آفاقی ذات پر بڑی ڈھٹائی اور پوری صفائی کے ساتھ یہ الزام رکھ دیا جاتا ہے کہ انہوں نے سیرت رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر کچھ کام نہ کیا، کوئی کتاب نہ تصنیف کی، نہ ہی کوئی رسالہ لکھا۔ زبان تو دراز کر لی جاتی ہے، لیکن حقیقت حال کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی اور نہ حقائق دریافت کرنے کی زحمت گوارا کی جاتی ہے۔

امام اہل سنت قدس سرہ نے اگرچہ باقاعدہ سیرت رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے نام سے کوئی کتاب یا رسالہ نہ لکھا، لیکن اس عظیم اور عبقری شخصیت نے اپنی تصنیفات وفتاویٰ میں بے شمار مقامات پر سیرت مصطفی علیہ التحیۃ والثنا کے ایسے ایسے اہم گوشوں کی نقاب کشائی فرمائی اور احوال رسول کی نئی نئی جہتوں کو اس انداز میں آشکارا فرمایا کہ بڑے سے بڑے سیرت نگار کے ذہن وفکر کی رسائی ان تک نہ ہوسکی، امام احمد رضا قدس سرہ کی کتب ورسائل اور فتاویٰ مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ اس الزام میں کتنا دم ہے؟ تصنیفات وفتاویٰ کو چھوڑیے، امام احمد رضا کے مجموعۂ کلام ''حدائق بخشش'' میں سیرت رسول کے جلوے نہ صرف جھلکتے، بلکہ اپنے اندر ایک جہان سمیٹے ہوئے ہیں، جس کے اشعار کا تجزیاتی مطالعہ کرنے والا ولادت وقبل بعثت و بعد کے احوال، معجزات رسول، دلائل نبوت وغیرہ کا ایک موجیں مارتا دریا اور لہریں مارتا سمندر دیکھتا ہے۔ فاضل محقق مولانا محمد عیسیٰ رضوی نے ان مواد کو نکال کر جمع وترتیب کا کام کیا تو باقاعدہ چار مجلدات میں ایک ضخیم کتاب تیار ہوگئی۔ ملاحظہ کریں: ''سیرت مصطفی جان رحمت'' طبع برکات رضا پور بندر، گجرات۔

اس حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کراچی کی یہ چشم کشا تحریر پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے، ملاحظہ کریں اور حقائق کی نقاب کشائی کا رنگ وآہنگ دیکھیں:

''کہا جاتا ہے کہ محدث بریلوی نے سیرت پر کوئی کتاب نہ لکھی، اللہ اکبر! محدث بریلوی کا تو

غور وفکر ہی سیرت ہے، انہوں نے سیرت کے ان گوشوں پر قلم اٹھایا ہے، جن کو سیرت نگاروں نے چھوا تک نہیں، جن فضائل پر سیرت نگاروں نے ایک دو صفحے لکھے، محدث بریلوی نے کئی کئی مقالے لکھ ڈالے، جب محدث بریلوی سیرت رسول علیہ التحیۃ والثنا پر سوچتے ہیں تو ان کی پروازِ فکر دیدنی ہوتی ہے، جب وہ سیرت حبیب لبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر لکھتے ہیں تو ان کی روانی قلم دیدنی ہوتی ہے''۔(۱)

امام احمد رضا قادری قدس سرہ کا لکھا ہوا'' قصیدۂ سلامیہ'' اور'' قصیدۂ نوریہ'' سراپائے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بے مثل شاہ کار ہے، میں تو کہتا ہوں کہ اس اجمالی سیرت رسول میں وہ پہنائیاں ہیں، گہرائی و گیرائی ہے، وہ رموز ونکات ہیں، جو سیرت کی بڑی سے بڑی کتابوں کو آنکھ دکھانے کی جسارت رکھتے ہیں، سیرت رسول پر اس کارنامے کی کوئی حیثیت نہیں؟ یہ سیرت نگاری نہیں تو اور کیا ہے؟ خدارا انصاف سے کام لو، تعصب کی عینک اتار پھینکو اور حقیقت حال کا باریک بینی سے جائزہ لو۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے دلائل نبوت و معجزات رسول کو بڑے اچھے انداز میں اپنے اشعار میں قلم بند فرمایا ہے۔ اس مختصر مضمون کے اندر'' کلام رضا میں تذکرۂ معجزات'' کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ معجزات و دلائل کی تحقیق و تفتیش میں درج ذیل کتابوں سے مدد لی گئی ہے:

(بخاری شریف، ترمذی شریف، حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین، ذکر جمیل از علامہ محمد شفیع اوکاڑوی، جامع الاحادیث، دلائل النبوۃ، مشکوٰۃ شریف)

معجزۂ شق القمر: کفار مکہ اپنے زعم باطل میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جادوگر سمجھتے تھے، اس لیے ایک روز جمع ہو کر آپ سے نشان نبوت طلب کیا، فرمایا: کیا چاہتے ہو؟ کہنے لگے: آپ سچے ہیں تو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھایئے، آپ نے فرمایا: آسمان کی طرف دیکھو اور اپنی انگلی مبارک سے چاند کی طرف اشارہ فرمایا تو وہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ اللہ عزوجل نے آیت مبارکہ اتاری: اِقتربت الساعۃ وانشق القمر۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ نے بیان فرمایا کہ اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معجزہ طلب کیا تو آپ نے چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھایا۔ (۲)

معجزہ رجعت شمس: حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم نے مقام صہبا میں ظہر کی نماز پڑھی، بعد ازاں نماز عصر کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا بھیجا (انہوں نے ابھی عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی) جب وہ تشریف لائے تو آپ نے ان کی گود میں سر مبارک رکھا اور سو گئے، حضرت علی نے آپ کو جنبش دینا مناسب نہ سمجھا، یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا، جب آپ کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ حضرت علی کی نماز عصر کا وقت جاتا رہا، دعا فرمائی: اے اللہ! تیرا بندہ علی تیرے نبی کی خدمت میں تھا تو سورج کو مشرق کی طرف لوٹا دے، حضرت اسماء بیان کرتی ہیں کہ سورج لوٹ کر اتنا اٹھ آیا کہ اس کی دھوپ پہاڑوں پر اور زمین پر پڑنے لگی۔ (۳)

امام احمد رضا قادری قدس سرہ نے اپنے بے شمار اشعار میں ان معجزات کو بیان فرمایا، چند ملاحظہ کریں اور اسلوب و انداز بیاں کی دلکشی پر داد دیں:

اشارے سے چاند چیر دیا، چھپے ہوئے خور کو پھیر لیا
گئے ہوئے دن کو عصر کیا، یہ تاب و تواں تمہارے لئے (۴)

تیری مرضی پا گیا سورج پھرا الٹے قدم
تیری انگلی اٹھ گئی، مہ کا کلیجہ چر گیا (۵)

صاحب رجعت شمس و شق القمر
نائب دست قدرت پہ لاکھوں سلام (۶)

چاند اشارے کا ہلا، حکم کا باندھا سورج
واہ کیا بات شہا تیری توانائی کی (۷)

چاند کا اشارہ سے ہلنا: حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ میں نے آپ کی ایک بات دیکھی تھی جو آپ کی نبوت پر دلالت کرتی تھی اور میرے مسلمان ہونے میں اس کو بڑا دخل حاصل ہے اور وہ یہ ہے کہ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ گہوارے میں لیٹے ہوئے چاند سے باتیں کر رہے تھے اور جس طرف آپ انگلی سے اشارہ کرتے تھے چاند اسی طرف ہو جاتا تھا۔ فرمایا: میں اس سے باتیں کرتا تھا اور وہ مجھ سے باتیں کرتا تھا اور مجھے رونے سے بہلاتا تھا اور میں اس کے گرنے کی آواز سنتا تھا جب کہ وہ عرش الٰہی کے نیچے سجدہ میں گرتا تھا۔ (۸) قبل بعثت حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بچپن کا یہ معجزہ امام احمد رضا نے یوں بیان فرمایا:

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا (۹)
چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا (۱۰)

انگشت مبارک سے چشمہ جاری ہونا: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حدیبیہ میں لوگ پیاس کی شدت سے پریشان تھے، دربار مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوکر عرض کیا: حضور! ہمارے پاس پانی نہیں ہے جس کو پئیں اور وضو کریں، سوائے اس پانی کے جو آپ کے پاس ایک لوٹے کے برابر برتن میں ہے، پس حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اسی برتن میں رکھ دیا تو آپ کی مبارک انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے، تمام صحابۂ کرام نے پیا اور وضو کیا ، حضرت جابر سے پوچھا گیا: کتنے لوگوں نے پیا اور وضو کیا؟ فرمایا: اگر ہم لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کافی ہوتا۔ مگر اس وقت ہم پندرہ سو تھے جنہوں نے پیا اور وضو کیا۔ (۱۱)

مجدد اعظم قدس سرہ العزیز اس عظیم معجزۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف کس خوب صورتی سے اشارہ کرتے ہیں:

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ (۱۲)

انگلیاں پائی وہ پیاری پیاری جن سے دریائے کرم ہیں جاری
جوش میں آتی ہے جب غم خواری تشنے سیراب ہوا کرتے ہیں (۱۳)

نور کے چشمے لہرائیں دریا بہیں
انگلیوں کی کرامت پہ لاکھو ں سلام (۱۴)
جس کے ہر خط میں ہے موج نور کرم
اس کف بحر ہمت پہ لاکھوں سلام (۱۵)

نمکین کنویں کا شیریں ہونا: زبیر بن بکار نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غزوۂ ذی قرد میں ایک پانی کے چشمے پر سے گزرے، اس کا نام بیسان تھا، آپ اس سے ہٹ کر چلے تو بتایا گیا کہ اس کا نام بیسان ہے اور یہ نمکین ہے۔ آپ نے فرمایا: نہیں، یہ نعمان ہے اور اس کا پانی شیریں و

عمدہ ہے، پس آپ نے اس کا نام بدل دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس پانی کا ذائقہ تبدیل کر دیا۔ (۱۶)

ابن سکن ہمام بن نفید السعدی سے نقل کرتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! ہمارے لیے ایک کنواں کھودا گیا ہے جس سے نمکین پانی نکلا ہے، تو آپ نے پانی کا ایک برتن ہمارے حوالے کیا اور فرمایا: اس کو کنویں میں ڈال دو، پس میں نے وہ پانی کنویں میں ڈال دیا تو وہ میٹھا ہو گیا بلکہ یمن کے تمام کنوؤں سے زیادہ شیریں۔(۱۷)

قصیدۂ سلامیہ میں امام اہل سنت فرماتے ہیں:

جس کے پانی سے شاداب جان و جناں
اس دہن کی طراوت پہ لاکھوں سلام(۱۸)
جس سے کھاری کنویں شیرۂ جاں بنے
اس زلال حلاوت پہ لاکھوں سلام(۱۹)

بارانِ رحمت کا نزول: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب بروز جمعہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت ممبر پر تشریف فرما ہو کر خطبہ دے رہے تھے، انہوں نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! مال برباد ہو گئے، گھوڑے اور بکریاں ہلاک ہو گئیں تو آپ اللہ تعالیٰ سے بارش کے لیے دعا کیجیے، حضور نے مبارک ہاتھ دعا کے لیے اٹھا دیے اور دعا کی، حضرت انس فرماتے ہیں: اس وقت آسمان مثل آئینہ بالکل صاف وشفاف تھا، اچانک ہوا چلی، بادل آنا شروع ہوئے اور خوب جم کر بارش نازل ہوئی، بادل خوب برسا۔(۲۰)

امام احمد رضا قدس سرہ نے اس کی طرف اشارہ کرتے خامہ فرسائی کی:

سحاب کرم روانہ کیے کہ آب نعم زمانہ پیے
جو رکھتے تھے ہم وہ چاک سیے، یہ ستر بداں تمہارے لیے(۲۱)

کافروں کا پھر جانا: امام مسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے غزوۂ حنین کے متعلق ایک طویل حدیث نقل کی ہے، جس کی تلخیص یہ ہے کہ جب لشکر اسلام اور کفار میں جنگ شروع ہوئی تو مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور بھگدڑ مچ گئی، مگر سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک دراز گوش پر سوار ہو کر نہایت پامردی کے ساتھ ثابت قدم رہے، سرکار کے جلو میں حضرت عباس اور ابوسفیان رضی اللہ

تعالیٰ عنہما موجود رہ گئے تھے، پھر حضور کے حکم سے حضرت عباس نے صحابہ کرام کو بلند آواز سے پکارا تو صحابہ کرام بڑی تیزی کے ساتھ واپس ہوئے اور دوبارہ گھمسان کی جنگ شروع ہوئی، سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بڑی توجہ کے ساتھ حالات جنگ کا مشاہدہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: یہ ہے تنور کی گرمی کا وقت۔ پھر سرکار نے چند کنکریوں کو لیا اور کافروں کے چہروں پر پھینک دیا اور ارشاد فرمایا: محمد کے رب کی قسم، شکست کھا گئے کفار (راوی کہتے ہیں) خدا کی قسم کفار کی شکست تو صرف آپ کے کنکری پھینکنے کی وجہ سے ہوئی۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۳۴)

کنکریوں کا کلمہ پڑھنا: ابونعیم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرموت کے رؤسا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان میں اشعث بن قیس بھی تھے، انہوں نے کہا: ہم نے آزمائش کے طور پر آپ سے ایک چیز چھپا رکھی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سبحان اللہ! ایسا تو کاہنوں سے کیا جاتا ہے اور کاہن اور کہاوت دونوں آتش جہنم میں ہوں گے۔ یہ سن کر انہوں نے کہا: پھر ہمیں کیسے معلوم ہو کہ آپ اللہ کے رسول ہیں ؟ آپ نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر فرمایا: یہ گواہی دیں گی کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ پس کنکریوں نے تسبیح پڑھی تو وہ پکار اٹھے: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں۔ (۲۲)

امام احمد رضا مچل کر ارقام فرماتے ہیں:

میں ترے ہاتھوں کے صدقے کیسی کنکریاں تھیں وہ
جن سے اتنے کافروں کا دفعتاً منھ پھر گیا (۲۳)

اے بلا بے خردی کفار رکھتے ہیں ایسے کے حق میں انکار
کہ گواہی ہو گر اس کو درکار، بے زباں بول اٹھا کرتے ہیں (۲۴)

احیائے موتی: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک انصاری مرد کے پاس گئے جو بیمار تھا، ابھی ہم وہیں تھے کہ وہ فوت ہو گیا، ہم نے اس پر ایک کپڑا ڈال دیا، اس کی بوڑھی والدہ اپنے بیٹے کے سرہانے بیٹھی تھی، ہم نے سے بتلایا کہ بی بی! اس مصیبت کو اللہ ہی کی طرف سے سمجھو۔ اس نے کہا: کیا میرا بیٹا فوت ہو گیا ہے؟ ہم نے کہا: ہاں، کہنے لگی: کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟ ہم نے کہا: ہاں۔ کہتے ہیں کہ اس نے اپنے ہاتھ پھیلا دیے اور کہنے لگی: اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں تیرے لیے اسلام لائی تھی اور تیرے رسول کی طرف ہجرت کی تھی اس امید پر کہ تو میری مدد کرے

گا۔اے اللہ! آج مجھ پر یہ مصیبت نہ ڈال ،تو اس مردہ آدمی نے اپنے چہرہ سے کپڑا ہٹا دیا اور کھڑا ہو گیا، پھر ہمارے ساتھ کھانا کھایا اور ہم لوگ واپس ہوئے۔(۲۵)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت پر بعد طعام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مردہ بکری زندہ فرمادی، اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دونوں فوت شدہ بیٹوں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زندہ فرمادیا۔(۲۶)

ایک مرتبہ خود نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے والدین کریمین کی قبر انور پر تشریف لے گئے ،دعا کی، والدین زندہ ہوئے اور مشرف بہ ایمان واسلام ہوئے۔(۲۷)

امام اہل سنت قدس سرہ العزیز احیائے موتیٰ سے متعلق معجزات رسول وعظمت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وا کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

دل کو ہے فکر کس طرح مردے جلاتے ہیں حضور

اے میں! ندا لگا کر ایک ٹھوکر اسے بتا کہ یوں (۲۸)

سینۂ حجر پر نقشِ پا: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک قدموں کے نیچے آکر پتھروں کا نرم ہو جانا ایک حقیقت ہے۔حضرت ابو ہریرہ وحضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پتھروں پر چلتے تو آپ کے مبارک پاؤں کے نشان ان پر لگ جاتے ۔حضرت علامہ شہاب الدین خفاجی مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کبھی ننگے پاؤں پتھروں پر چلتے تو پتھر آپ کے مبارک قدموں کے نیچے نرم ہو جاتے اور ان میں بعینہ نشان قدمِ مبارک پڑ جاتا، چناں چہ ان پتھروں کو تبرکاً محفوظ کیا گیا ہے جو کہ اب بھی موجود ہیں۔(۲۹)

امام احمد رضا قادری قدس سرہ اس معجزہ کو یوں بیان فرماتے ہیں:

ہائے اس پتھر سے اس سینے کی قسمت پھوڑیے

بے تکلف جس کے دل میں یوں کریں گھر ایڑیاں(۳۰)

پاؤں کی ٹھوکر سے اُحد پہاڑ کا ساکت ہو جانا: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ کوہ ثبیر پر کھڑے تھے، میں بھی حاضر تھا کہ وہ لرزنے لگا، تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر پائے مبارک

مارااور فرمایا: ٹھہر جا! چناں چہ وہ ٹھہر گیا۔(۳۱)

حضوراکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک قدم وہ قدم ہیں کہ ایک مرتبہ آپ مع حضرت ابوبکرو عمروعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اُحد پہاڑ پر کھڑے تھے کہ وہ کانپنے لگا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر اپنا پاؤں مارااور فرمایا: ٹھہرارہ! تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔(۳۲)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ایک ٹھوکر میں اُحد کا زلزلہ جاتا رہا
رکھتی ہیں کتنا وقار، اللہ اکبر ایڑیاں(۳۳)

حضرت ابو ہریرہ کے لئے جام شیر: مشہور جلیل القدر صحابی رسول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں، تنگی صفحات کے پیش نظر مختصراً بیان کیا جاتا ہے، قارئین کو بخوبی اندازہ ہوجائے گا:

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے قریب سے گزرے اور مجھے یوں (راستہ میں بیٹھا ہوا) دیکھ کر مسکرادیے اور میرے چہرے سے ظاہر ہونے والی کیفیت کو بھانپ لیا۔ پھر مجھے فرمایا: اے ابو ہریرہ! میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی تعالیٰ علیہ وسلم! لبیک: آپ نے فرمایا: میرے پیچھے چلے آؤ، میں پیچھے ہولیا، آپ اندر تشریف لے گئے، میں نے بھی اذن دخول مانگا اور اجازت پا کر اندر آ گیا ،گھر میں دودھ کا ایک پیالہ بطور ہدیہ آ کر رکھا ہوا تھا، حضور نے ارشاد فرمایا: اہل صفہ کو بلاؤ، وہ لوگ آئے اور اجازت لے کر اندر بیٹھ گئے، حضور نے مجھ سے فرمایا: دودھ لاؤ اور انہیں پلاؤ۔ میں ایک آدمی کو پیالہ دیتا، وہ پی کر سیر ہو جاتا، پھر دوسرے کو دیتا، یہاں تک کہ سارے اصحاب صفہ دودھ پی کر سیراب ہو گئے، اب میں حضور کے پاس آ گیا۔ آپ نے دودھ اپنے ہاتھوں میں لیا اور فرمایا: ابو ہریرہ! تم بھی پیو، میں نے خوب پیا اور بار بار فرمانے پر بار بار پیتا رہا، پھر میں نے آپ کو پیالہ دے دیا، آپ نے اللہ عزوجل کی حمد کی، بسم اللہ شریف پڑھی اور باقی ماندہ دودھ نوش فرمالیا۔(۳۴)

امام احمد رضا قدس سرہ نے بطور استفسار رقم فرمایا:

کیو ں جناب بوہریرہ کیسا تھا وہ جام شیر
جس سے ستر صا حبو ں کا دودھ سے منھ پھر گیا (۳۵)

خواب میں دیدار واقعی: حضرت ابوقتادہ وابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے حق دیکھا کہ شیطان میری صورت نہیں اختیار کرسکتا۔(۳۶)

امام احمد رضا قادری نے یوں کہا:

من رأنی فقد رای الحق جو کہے
کیا بیاں اس کی حقیقت کیجیے(۳۷)

ہرنی کی فریاد: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک موڑ پر کچھ لوگوں کے پاس سے گزر ہوا، جنہوں نے ایک ہرنی شکار کر کے خیمے کے ایک بانس سے باندھ رکھی تھی، وہ عرض کرنے لگی: یارسول اللہ! مجھے شکار کرلیا گیا جب کہ میرے دو بچے ہیں، آپ مجھے اجازت دیتے ہیں، تا کہ میں جا کر انہیں دودھ پلاؤں اور واپس آجاؤں؟ آپ نے فرمایا: اس کا مالک کون ہے؟ لوگوں نے کہا: ہم ہیں، یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: اسے کھول دو تا کہ یہ اپنے دونوں بچوں کو دودھ پلا کر واپس آجائے، وہ کہنے لگے: یارسول اللہ! اگر یہ نہ آئی تو اس کا ضامن کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا: میں ہوں گا۔ انہوں نے آزاد کیا، ہرنی گئی اور بچوں کو دودھ پلا کر واپس ان کے پاس آگئی۔(۳۸)

چڑیا کی فریاد: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ ایک درخت کے قریب سے ہمارا گزر ہوا، جس میں چڑیا کا گھونسلہ تھا، تو ہم نے اس کے دونوں بچے پکڑ لیے، وہ چڑیا بار بار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوپر آکر اڑتی اور کچھ کہتی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی نے اس کے بچوں کو پکڑ کر اسے تکلیف پہونچائی ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم نے اس کے بچے پکڑے ہیں۔ فرمایا: انہیں ان کے گھونسلے میں رکھ دو، تو ہم انہیں واپس رکھ دیا۔(۳۹)

اونٹ کی شکایت: ایک اونٹ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور فریاد کی کہ میرا مالک کھانا کم دیتا ہے اور کام زیادہ لیتا ہے، آپ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ اس کا مالک کون ہے؟ لوگوں نے ایک انصاری کا نام بتایا، آپ نے فوراً اسے بلوایا اور فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارے قبضے میں دے کر تمہارا محکوم بنا دیا ہے، لہٰذا تم لوگوں پر لازم ہے کہ تم ان جانوروں پر رحم کرو،

تمہارے اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو اور اس کی طاقت سے زیادہ کام لیتے ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ابوداؤد۔۔۔۔۔(۴۰)

امام احمد رضا بریلوی ان معجزات کی طرف یوں اشارہ فرماتے ہیں:

ہاں یہیں کرتی ہیں چڑیاں فریاد ،ہاں یہیں چاہتی ہے ہرنی داد
اسی در پے شتر ان ناشاد ،گلہ رنج وعنا کرتے ہیں (۴۱)

جانوروں کا تعظیم کرنا: ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعض گھر والوں نے کچھ جانور رکھے ہوئے تھے، جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باہر نکلتے تو وہ آپ کو دیکھ کر خوشی سے اچھلنے ،کودنے لگتے ،اور جوں ہی انہیں آپ کی آمد کا احساس ہوتا وہ گھٹنوں کے بل کھڑے ہونے لگتے۔(۴۲)

درخت اور پتھر کا سجدہ ریز ہونا: پہلی وحی اترنے کے بعد جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واپس آئے تو راستے میں جس درخت یا پتھر کے پاس سے گزرتے وہ سجدہ ریز ہو کر کہتا: السلام علیک یا رسول اللہ! اس سے آپ کا دل مطمئن ہو گیا اور آپ نے جان لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عزت وکرامت ہے۔(۴۳)

درختوں کی شہادت اور جانوروں کا سجدہ ریز ہونا: بخاری اور مسلم میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروہ ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جنات کے قرآن سننے کی رات بیان کی کہ جنوں نے کہا کہ: کون گواہی دے گا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ نے فرمایا : یہ درخت، پھر اس درخت کو گواہی کے لیے بلایا تو وہ جڑیں کھینچتے ہوئے خدمت اقدس میں حاضر ہو گیا (۴۴)۔

ایک اعرابی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دلیل رسالت طلب کی تو آپ کے اشارے پر درخت نے آکر السلام علیک یا رسول اللہ، کہا اور گواہی دی۔(۴۵)

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مہاجرین وانصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک محفل میں تشریف فرما تھے، اتنے میں ایک اونٹ آیا اور آپ کے آگے سر بہ سجود ہو گیا۔(۴۶)

مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ نے ان تمام معجزات کو اپنے اشعار میں یوں قلم بند فرمایا:

چاند شق ہوں ،پیڑ بولیں ،جانور سجدے کریں
بارک اللہ مرجع عالم یہی سرکار ہے(۴۷)

اپنے مولیٰ کی ہے بس شان عظیم ،جانور بھی کریں جن کی تعظیم
سنگ کرتے ہیں ادب سے تسلیم ،پیڑ سجدے میں گرا کرتے ہیں (۴۸)

رخ انور کی تابانی: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: میں اندر بیٹھی کچھ سی رہی تھی، میرے ہاتھ سے سوئی گر گئی، ہر چند تلاش کی، مگر اندھیرے کے سبب نہ مل سکی ،اتنے میں حضور ماہ طیبہ تشریف لائے تو آپ کے رخ انور کی روشنی سے سارا کمرہ روشن ہو گیا اور سوئی چمکنے لگی تو مجھے اس کا پتہ چل گیا۔(۴۹)

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں: چاندنی رات تھی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حلہ حمرا اوڑھے ہوئے لیٹے تھے، میں کبھی چاند کو دیکھتا اور کبھی حضور کے چہرۂ انور کو، بالآخر میرا فیصلہ یہی تھا کہ حضور چاند سے زیادہ خوب صورت ہیں۔(۵۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ خوب صورت کسی کو نہیں دیکھا، یوں معلوم ہوتا کہ آفتاب آپ کے چہرہ پر چل رہا ہے۔(۵۱)

کلام الامام میں ملاحظہ کریں:

چاند سے منہ پہ تاباں ،درخشاں درود
نمک آگیں صباحت پہ لاکھوں سلام (۵۲)

یہ جو مہر ومہ پہ ہے اطلاق آتا نور کا
بھیک تیرے نام کی ہے استعارہ نور کا (۵۳)

تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا
سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا(۵۴)

امام احمد رضا قادری برکاتی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ان تمام معجزات اور روشن آیات کو کس انوکھے اسلوب اور بے مثال انداز میں پیش فرمایا، کیا اس سے سیرت رسول کا پہلو درخشاں نہیں ہوتا ؟ صرف یہی نہیں، بلکہ قرآن مجید، لامکاں کی سیر، فصاحت لسانی، دیدار الٰہی، علم غیب، حیات النبی ،نوری بشریت وغیرہا بے شمار معجزات پر اجمالاً روشنی ڈالی ہے۔دو اشعار لکھ کر اپنی بات ختم کرتا ہوں

، پڑھیں اور جھوم جائیں، امام اہل سنت ارقام فرماتے ہیں:

مشک بو زلف سے رخ چہرہ سے بالوں میں شعاع
معجزہ ہے حلب زلف وتتار عارض (۵۵)
نہ حجاب چرخ ومسیح پر ،نہ کلیم وطور نہاں مگر
جو گیا ہے عرش سے بھی ادھر وہ عرب کا ناقہ سوار ہے (۵۶)

☆☆☆

{مآخذومراجع:}

(۱)پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، جہان رضا، لاہور، ستمبر ۲۰۰۶ء (۲)امام محمد بن اسماعیل بخاری، بخاری شریف، ص ۱/۵۱۳
(۳)امام محمد یوسف نبہانی، حجۃ اللہ علی العالمین، ص ۱/۶۳۹ (۴)امام احمد رضا قادری، حدائق بخشش، دہلی، ص ۲/۱۶۵
(۵)امام احمد رضا قادری، حدائق بخشش، دہلی، ص ۱/۲۲ (۶)امام احمد رضا قادری، حدائق بخشش، دہلی، ص ۲/۱۳۸
(۷)امام احمد رضا قادری، حدائق بخشش، دہلی، ص ۱/۶۹ (۸)مولانا محمد شفیع اوکاڑوی، ذکر جمیل، ص ۲۲۴
(۹)امام احمد رضا قادری، حدائق بخشش، دہلی، ص ۲/۱۱۲ (۱۰)امام احمد رضا قادری، حدائق بخشش، دہلی، ص ۲/۱۱۴
(۱۱)امام محمد بن اسماعیل بخاری، بخاری شریف، ص ۲/۵۹۸ (۱۲)امام احمد رضا، حدائق بخشش، دہلی، ص ۱/۶۰
(۱۳)امام احمد رضا قادری، حدائق بخشش، دہلی، ص ۱/۴۹ (۱۴)امام احمد رضا، حدائق بخشش، دہلی، ص ۲/۱۴۳
(۱۵)امام احمد رضا قادری، حدائق بخشش، دہلی، ص ۲/۱۴۲ (۱۶)امام محمد یوسف نبہانی، حجۃ اللہ علی العالمین، ص ۱/۶۹۲
(۱۷)امام محمد یوسف نبہانی، حجۃ اللہ علی العالمین، ص ۱/۶۹۶ (۱۸)امام احمد رضا قادری، حدائق بخشش، دہلی، ص ۲/۱۴۲
(۱۹)امام احمد رضا قادری، حدائق بخشش، دہلی، ص ۲/۱۴۲ (۲۰)امام محمد بن اسماعیل بخاری، بخاری شریف، ص ۱/۵۰۶
(۲۱)امام احمد رضا قادری، حدائق بخشش، دہلی، ص ۲/۱۶۵ (۲۲)امام محمد یوسف نبہانی، حجۃ اللہ علی العالمین، ص ۱/۷۱۴
(۲۳)امام احمد رضا قادری، حدائق بخشش، دہلی، ص ۱/۲۲ (۲۴)امام احمد رضا قادری، حدائق بخشش، دہلی، ص ۱/۴۹
(۲۵)حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ، دلائل النبوۃ، ص ۵۵۰ (۲۶)حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ، دلائل النبوۃ، ص ۵۴۹
(۲۷)امام محمد یوسف نبہانی، حجۃ اللہ علی العالمین، ص ۱/۶۵۹ (۲۸)امام احمد رضا قادری، حدائق بخشش، دہلی، ص ۱/۴۰
(۲۹)مولانا محمد شفیع اوکاڑوی، ذکر جمیل، ص ۳۱۴ (۳۰)امام احمد رضا قادری، حدائق بخشش، دہلی، ص ۱/۳۸
(۳۱)امام محمد بن عیسیٰ ترمذی، ترمذی شریف، ص ۲/۲۱۱ (۳۲)امام محمد بن اسماعیل بخاری، بخاری شریف، ص ۱/۵۱۹
(۳۳)امام احمد رضا قادری، حدائق بخشش، دہلی، ص ۱/۳۸ (۳۴)حجۃ اللہ علی العالمین، ص ۲/۲۶۰، دلائل النبوۃ، ص ۳۷۷
(۳۵)امام احمد رضا قادری، حدائق بخشش، دہلی، ص ۱/۲۲ (۳۶)امام محمد بن اسماعیل بخاری، بخاری شریف، ص ۲/۱۰۳۶
(۳۷)امام احمد رضا قادری، حدائق بخشش، دہلی، ص ۱/۸۷ (۳۸)حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ، دلائل النبوۃ، ص ۳۳۸، ۳۳۹

(۳۹)امام محمد یوسف نبہانی، حجۃ اللہ علی العالمین، ص ۷۳۹/۱ (۴۰)حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ، دلائل النبوۃ، ص ۳۴۴

(۴۱)امام احمد رضا قادری، حدائق بخشش، دہلی، ص ۵۰/۱ (۴۲)حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ، دلائل النبوۃ، ص ۳۴۲

(۴۳)امام محمد یوسف نبہانی، حجۃ اللہ علی العالمین، ص ۷۰۶/۱ (۴۴)امام محمد یوسف نبہانی، حجۃ اللہ علی العالمین، ص ۷۰۹/۱

(۴۵)امام محمد بن عیسیٰ ترمذی، ترمذی شریف، ص ۲۰۴/۲ (۴۶)حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ، دلائل النبوۃ، ص ۳۴۲

(۴۷)امام احمد رضا قادری، حدائق بخشش، دہلی، ص ۷۸/۱ (۴۸)امام احمد رضا قادری، حدائق بخشش، دہلی، ص ۴۹/۱

(۴۹)مولانا محمد شفیع اوکاڑوی، ذکر جمیل، ص ۷۷ (۵۰)امام محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی، مشکوٰۃ شریف، ص ۵۱۸

(۵۱)امام محمد بن عیسیٰ ترمذی، ترمذی شریف، ص ۵۱۸ (۵۲)امام احمد رضا قادری، حدائق بخشش، دہلی، ص ۱۴۱/۲

(۵۳)امام احمد رضا قادری، حدائق بخشش، دہلی، ص ۱۱۵/۲ (۵۴)امام احمد رضا قادری، حدائق بخشش، دہلی، ص ۱۱۳/۲

(۵۵)امام احمد رضا قادری، حدائق بخشش، دہلی، ص ۱۳۱/۱ (۵۶)امام احمد رضا قادری، حدائق بخشش، ممبئی، ص ۸۳/۲

کلام الامام میں ولادت طیبہ کی جھلکیاں

☆توفیق احسنؔ برکاتی

مجدد اعظم، فقیہ اسلام، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ جیسے سچے محب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ولادت طیبہ بے شک ایک فرحت بخش، مسرت آمیز، روح افروز اور حوصلہ افزا عنوان ہے، جو ذات عالی صفات وجہ تخلیق کائنات ہے، سبب قبولیت توبہ آدم ہے، ایمان وایقان کا مرکز ومحور ہے، رحمت ربانی ہے، نعمت الٰہی ہے۔ یقیناً اس کی پیدائش وبعثت سے کائنات کے کتنے سربستہ راز کھلیں گے، ابتدائے آفرینش سے جس کی آمد کے اشارات دیے جا رہے ہوں، عالم بالا میں جس کی میلاد طیبہ کی انجمن آرائی ہو، ذرا قرآن مجید کا ایک دلکش بیان ملاحظہ فرمالیں! ترجمہ:

''جب عہد لیا اللہ نے نبیوں سے کہ بے شک میں تمہیں کتاب وحکمت عطا فرماؤں، پھر تشریف لائیں تمہارے پاس وہ رسول، تصدیق فرمائیں ان باتوں کی جو تمہارے ساتھ ہیں تو تم ضرور ان پر ایمان لانا اور ضرور ضرور ان کی مدد کرنا، قبل اس کے کہ انبیا کچھ عرض کرنے پائیں فرمایا: کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا، عرض کی اقرار کیا، فرمایا: تو آپس میں ایک دوسرے کے گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں، پھر جو کوئی اس اقرار کے بعد پھر جائے وہی لوگ بے حکم ہیں '' (آل عمران آیت: ۸۱، ۸۲)

یہ مجلسِ میثاق عالم بالا میں انعقاد پذیر ہوئی، انبیائے کرام کی نبوت ورسالت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان ومدد سے مشروط قرار دی گئی، ذکر مصطفی ہوا، آمد کی بات ہوئی، یہی تو میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے، اب ہر ہر آسمانی کتاب اور صحیفے میں ان کے ذکر واذکار کا بیان کھلے الفاظ میں رکھا گیا، خوش خبری سنائی گئی، نام، صفات، آیات، ولادت، بعثت وہجرت کا تذکرہ پوری وضاحت کے ساتھ شامل کیا گیا، انقلابات کی جھلکیاں نمایاں کردی گئیں، زمانے کی کایا پلٹے گی، خالق کائنات کا صحیح تعارف اس کے ذریعہ ہوگا، آوارہ پیشانیوں میں نشان سجدہ تابندہ ہوگا، بے خوف دلوں میں خشیت ربانی کے راز افشاں ہوں گے، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان محبوبیت کے جلوہ ہائے نور تو روز محشر پوری جلوہ سامانیوں کے ساتھ بے نقاب ہوں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات سراپا معجزہ ہے، حقیقت مصطفیٰ تو اسرار الٰہیہ میں سے ہے، یہ نوری پیکر لباس بشر میں حضرت آمنہ کی گود میں جلوہ فگن ہوتا ہے، عرش وفرش پر محفل میلاد کی دھوم ہے، قدسی مخلوقات شاداں وفرحاں ایک دوسرے کو مبارکبادیاں پیش کررہے ہیں، سسکتی بلکتی انسانیت کی روح میں مسرت واطمینان کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

ولادت طیبہ کی تاریخ بارہ ربیع الاول شریف، دن دوشنبہ مبارکہ، وقت صبح صادق ہے، نسبت نے ان سب کو قابل تکریم وتقدیس بنایا یا دیا، ماہ ربیع الاول کو برگزیدگی ملی، بارہ تاریخ متبرک ہوگئی، روز دوشنبہ باعظمت ہوگیا، صبح صادق کو بھی امتیاز کا شرف ملا، یہ نسبتوں کا فیضان ہے اسی لیے بارہ ربیع الاول شریف کو اظہار مسرت کا حکم ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ فرماتے ہیں:

”نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت بارہ ربیع الاول شریف، یوم دوشنبہ کو ہے اور اسی میں وفات شریف ہے تو ائمہ نے خوشی ومسرت کا اظہار کیا، غم پروری کا حکم شریعت نہیں دیتی“

(الملفوظ، حصہ دوم، ادبی دنیا، دہلی ص ۹۲)

ذکر میلاد پاک کے حوالے سے ایک سوال کے جواب میں امام احمد رضا قدس سرہ ارقام فرماتے ہیں:

”مسلمانوں کو جمع کرکے ذکر ولادت اقدس وفضائل حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنانا، ولادت اقدس کی خوشی کرنی، اس میں حاضرین کو کھانا یا شیرینی تقسیم کرنی بلاشبہ جائز ومستحب ہے اور جائز فی نفسہ جائز اور بہ نیت فرحت ولادت شریفہ وتعظیم ذکر انور قطعا مستحب۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللّٰهِ اور انہیں اللہ کے دن یاد دلا، اور فرماتا ہے: **قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلک فلیفرحوا**، تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہئے کہ خوشی کریں“ (فتاویٰ رضویہ، ص ۲۶۴، ج ۳)

اور امام احمد رضا کی یہ جرأت رندانہ وجسارت عاشقانہ واشارت مؤمنانہ ملاحظہ فرمائیں:

حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائش مولیٰ کی دھوم
مثل فارس نجد کے قلعے گراتے جائیں گے
خاک ہوجائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضاؔ
دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائیں گے

جرأت وعشق کا یہ رنگ ترنگ بھی ذہن نشین کرلیں:

مثلِ فارس زلزلے ہوں نجد میں
ذکر آیاتِ ولادت کیجئے
کیجئے چرچا انہیں کا صبح وشام
جانِ کافر پر قیامت کیجئے

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت مبارک کے وقت بے شمار حیرت انگیز نشانیاں ظاہر ہوئیں، تعجب خیز واقعات ظہور پذیر ہوئے، سب سے زیادہ مشہور اور حیرت میں ڈالنے والی بات کسریٰ کے محل کا لرزنا، کانپنا اور اس کے چودہ کنگرے گر پڑنا ہے، انہیں نشانیوں میں سے دریائے ساوہ کا خشک ہونا اور اس کا پانی زمین میں چلا جانا اور اس نالے کا جاری ہونا جسے وادیِ ساوہ کہتے ہیں جو ہزار برس سے خشک تھا، فارسیوں کے آتش کدہ کی آگ کا بجھ جانا ہے جو ہزار برس سے روشن تھی، انہیں میں بتوں کا اوندھے منھ گرنا اور ان کا ذلیل وخوار ہونا ہے، امام احمد رضا قادری قدس سرہ نے ان تمام واقعات اور حیرت میں ڈال دینے والی نشانیوں کو بڑے خوبصورت اور دل نشیں پیرایۂ اظہار کے ذریعہ نمایاں کیا ہے۔ ملاحظہ کریں:

بندھ گئی تیری ہوا ساوہ میں خاک اڑنے لگی
بڑھ چلی تیری ضیا آتش پہ پانی پھر گیا
تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا
تیری ہیبت تھی کہ ہر بت تھرتھرا کر گر گیا

حضرت عبد المطلب سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں شب ولادت کعبہ کے پاس تھا، جب آدھی رات ہوئی تو میں نے دیکھا کہ کعبہ مقام ابراہیم کی طرف جھکا اور سجدہ کیا اور اس سے تکبیر کی آواز آئی کہ: اللہ بلند وبالا ہے، اللہ بلند وبالا ہے، وہ رب ہے محمد مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا، اب مجھے میرا رب بتوں کی پلیدی اور مشرکوں کی نجاست سے پاک فرمائے گا، اور غیب سے آواز آئی: رب کعبہ کی قسم! کعبہ کو برگزیدگی ملی، خبردار ہوجاؤ، کعبہ کو ان کا قبلہ، ان کا مسکن ٹھہرایا اور وہ بت جو کعبہ کے گرداگرد نصب تھے، ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور سب سے بڑا بت جسے ہبل کہتے تھے منھ کے بل گر پڑا، ندا آئی کہ سیدہ آمنہ سے محمد مصطفیٰ پیدا ہو گئے اور ابر رحمت ان پر اتر آیا، امام احمد رضا کا یہ بیانیہ انداز

پڑھیں:

شرم سے جھکتی ہے محراب کہ ساجد ہیں حضور
سجدہ کرواتی ہے کعبہ سے جبیں سائی دوست

جس کے سجدے کو محراب کعبہ جھکی
ان بھنوؤں کی لطافت پہ لاکھوں سلام

پہلے سجدے پہ روز ازل سے درود
یادگاریِ اُمت پہ لاکھوں سلام

جب کہ پیدا شہ انس وجاں ہوگیا
دور کعبہ سے لوث بتاں ہوگیا

اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تخلیق روز جمعہ فرمائی یعنی حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش جمعہ کے دن ہوئی اور روز جمعہ کو عبادت کے لیے بھی مخصوص کیا گیا مگر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دوشنبہ مبارک کو پیدا فرمایا، جمعہ کی نسبت حضرت آدم کی جانب ہے اور دوشنبہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت کا شرف حاصل ہے۔امام احمد رضا کا بصیرت افروز اور حقیقت آمیز یہ شعر دیکھیں، کیا فرماتے ہیں:

دوشنبہ مصطفیٰ کا جمعۂ آدم سے بہتر ہے
سکھانا کیا لحاظ حیثیت خوئے تامل کو

احادیث صحیحہ و مشہورہ میں آیا ہے کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے شب ولادت میں دیکھا کہ ایک نور ظاہر ہوا۔ جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے اور میں نے ان کو دیکھ لیا۔ یقیناً ولادت شریف کے وقت کائنات کا نور ظہور پذیر ہوا، آسمان کے ستارے زمین کے نزدیک آئے، یہ اسی نور کی نورانیت اور جلوہ زیبی تھی جو آج کائنات میں اپنے انوار کی برسات لٹانے آیا ہے، امام احمد رضا قدس سرہ نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نوری پیکر کی بڑی خوب صورت پیکر تراشی کی ہے بلکہ ایک طویل قصیدہ نوریہ ہی تحریر فرما دیا، چند اشعار آپ بھی ملاحظہ کر لیں:

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا
مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا
بارہویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا
بارہ برجوں سے جھکا ایک اک ستارا نور کا

اور قصیدہ سلامیہ کے دو دل افروز اشعار بھی اچھی طرح یاد کرلیں اور صبح وشام گنگنائیں:

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام
مہد والا کی قسمت پہ صدہا درود
برج ماہ رسالت پہ لاکھوں سلام

محسن انسانیت رحمۃ للعٰلمین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جب اس دنیا میں تشریف لائے۔اس وقت آپ سجدہ میں تھے اور دونوں انگشت ہائے مبارکہ آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھے، ایسا لگ رہا تھا کہ اللہ عزوجل کے حضور تضرع وگریہ کے انداز میں کچھ عرض گزار ہوں، روایتوں میں آتا ہے کہ آپ اس وقت بھی اللہ کا ذکر کررہے تھے، اور اُمت کی فکر میں تھے یعنی اس وقت بھی آپ کو امت کی یاد ستا رہی تھی اور آپ خدائے تعالیٰ کی جناب میں ان کی بخشش کے طلب گار تھے، امام احمد رضا قدس سرہ نے اس حقیقت کو بھی شعری جامہ پہنایا:

وقت پیدائش نہ بھولے
کیف ینسیٰ کیوں قضا ہو
پہلے سجدہ پہ روز ازل سے درود
یادگاری امت پہ لاکھوں سلام

امام احمد رضا قدس سرہ بے شک اقلیم فکر وسخن کے تاج دار ہیں، شعر وشاعری ان کا میدان نہیں تھا، باوجودے جب نعتیہ اشعار قلم بند فرماتے تو ایسا لگتا کہ یہ تو ان کا خاص مشغلہ ہے، خاص مشغلہ نعت نگاری ضرور تھا، مدحت سرکار صلی اللہ علیہ وسلم ہی ان کی زندگی کا کل سرمایہ تھا، سیرت نگاری ہی ان کے صبح وشام کا عمل محبوب تھا، زندگی بھر یہی کرتے رہے۔محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جام لٹاتے رہے، عظمت کبریا و ناموس مصطفی کے تحفظ کا درس دیتے رہے۔ان کا بہت بڑا شعری کمال یہ ہے کہ بڑے

بڑے تاریخی واقعات کو اس انداز سے شعری پیکر میں ڈھالتے کہ سننے والا، پڑھنے والا کوئی شعر پڑھتا محسوس نہ ہوتا بلکہ اصل واقعہ کی گرہیں اس کے سامنے کھلتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ انداز بیان اس قدر صاف وشفاف، اسلوب اس قدر نکھرا ستھرا، الفاظ وعبارات اس قدر موزوں کہ لگتا ہے کہ ان کی وضع ہی اسی مقام ومحل کے لیے مخصوص ہے۔ ولادت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بے شک دنیا کی سب سے عظیم عید ہے، عاشقوں، مداحوں کی سب سے بڑی عید تو عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے، کیوں نہ ہو اس دن کائنات کا مسیحا اس دنیا میں جلوہ فگن ہوا۔ حدائق بخشش حصہ اول ودوم سے ہم نے چند پھول چننے کی ادنیٰ سعی کی ہے جن میں ولادت طیبہ کی جھلکیاں بخوبی ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

جتنے اللہ نے بھیجے ہیں نبی دنیا میں
تیری آمد کی خبر سب ہیں سنانے والے

☆☆☆

سلام رضاؔ کے دو حسین جہات

☆ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

جہت اول:

متعدد ناقدین ادب نے امام احمد رضا کے مشہور زمانہ سلام ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' کے ادبی، فنی، فکری وغیرہا محاسن کا جائزہ اپنے اپنے انداز میں پیش کیا ہے اور ان اصحاب نقد و نظر کے جائزوں اور تبصروں کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) اس سلام کی اہم ترین بات اس کی ترتیب اور تعمیری حسن ہے۔

(۲) اس میں جذباتی رنگ کے ساتھ فکری گہرائی ہے۔

(۳) پورے کا پورا قصیدہ ایک فنی وحدت کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے۔

(۴) یہ سلام ایک عظیم فن پارہ ہے۔ وغیرہ وغیرہ!

لاریب! امام احمد رضا کا یہ ''قصیدۂ سلامیہ'' اردو ادب کا سنگھار ہے۔ اور نہ صرف اردو کی نعتیہ شاعری بلکہ کسی بھی زبان کی نعتیہ شاعری میں ایسا حسین اور شاہکار سلام نظر نہیں آتا۔ بقول مولانا کوثرؔ نیازی سلام رضاؔ کے اس شعر:

خط کی گردِ دہن وہ دل آرا پھبن
سبزۂ نہر رحمت پہ لاکھوں سلام

میں سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے ریش مبارک کی جس طور تعریف بیان کی گئی ہے وہ دنیا کی کسی بھی زبان کی شاعری میں نظر نہیں آتی۔ (ملخصاً، امام احمد رضا! ایک ہمہ جہت شخصیت)

مندرجہ بالا شعر میں صورت اور سیرت دونوں کا وصف نمایاں ہے۔

ناقدین ادب کی جائزہ نگاری کو ہم سلام رضاؔ کی جہت اول قرار دیتے ہیں۔

جہت دوم:

جس طرح ہر ملک کا اپنا ایک قومی ترانہ ہوتا ہے جسے قومی تقریبات اور دیگر مواقع پر کھڑے ہو کر عقیدت و محبت کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور اس سے حب الوطنی کا اظہار ہوتا ہے اسی طرح یہ سلام رضاؔ عالم اسلام کا ایک ''قومی ترانہ'' بن گیا ہے جسے پوری مسلم دنیا میں نعت و میلاد کی محفلوں، دینی جلسوں اور کانفرنسوں اور دیگر تقدیسی تقریبات میں با ادب اور والہانہ انداز میں کھڑے ہو کر پڑھا جاتا ہے جس سے آقا حضرت جان جہان و جان ایمان مصطفیٰ جان رحمت علیہ التحیۃ والثنا سے گہری وابستگی، عقیدت و محبت، ادب واحترام اور ان کی غلامی کا حسین اظہار ہوتا ہے۔

ہر ملک کے قومی ترانے میں ملک کی عظمت، خوش حالی، ملک کے صوبوں، دریاؤں، پہاڑوں وادیوں، جھرنوں وغیرہ کی خوب صورتی، روانی، بلندی نیز ملک کی مختلف قوموں کی بہادری کے گن گائے جاتے ہیں۔

جب ہم اس ''قومی ترانۂ عالم اسلام'' یعنی سلام رضاؔ کو اس زاویے سے دیکھتے ہیں تو وہی انداز یہاں بھی نظر آتا ہے۔ حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان، رحمۃ للعالمینی، حکومت، سطوت وصولت، سروری، اختیارات وتصرفات، صورت وسیرت کے جمال و کمال کے اظہار کے ساتھ ساتھ ان کے وزرا و خلفا، اصحاب وعترت، ازواج، سرکار علیہ السلام کے نائبین، آئمہ و اولیا اور رضاؔ کے اپنے مشائخ عظام جو نبی کونین ہی کی آل ہیں۔ وغیرہم کے فضائل و مناقب بھی موجود ہیں یہاں تک کہ شاہ کی ساری امت، رضاؔ کے اپنے والدین، اعزا و اقربا کی سلامتی کی دعائیں بھی اس سلام میں موجود ہیں۔

راقم اپنی پیش کردہ باتوں کے ثبوت میں اس سلام سے اشعار پیش کر رہا ہے البتہ ہر موضوع کیلئے صرف چند ہی اشعار پر اکتفا کیا جائے گا۔

(ا) سرکار علیہ السلام کی عظمت شان اور سلطنت وحکومت:

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام — شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام
شہریار ارم ، تاجدار حرم — نو بہار شفاعت پہ لاکھوں سلام
عرش کی زیب و زینت پہ عرشی درود — فرش کی طیب و نزہت پہ لاکھوں سلام
عرش تا فرش ہے جس کے زیرنگیں — اس کی قاہر ریاست پہ لاکھوں سلام

فتح بابِ نبوت پہ بے حد درود | ختمِ دورِ رسالت پہ لاکھوں سلام
پرتوِ اسمِ ذاتِ احد پر درود | نسخۂ جامعیت پہ لاکھوں سلام
مطلعِ ہر سعادت پہ اسعد درود | مقطعِ ہر سیادت پہ لاکھوں سلام
ربِ اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ درود | حق تعالیٰ کی منت پہ لاکھوں سلام

(۲) صورت وسراپا:

طائرانِ قدس جس کی ہیں قمریاں | اس سہی سرو قامت پہ لاکھوں سلام
لَیلَۃُ القَدْر میں مَطْلَعِ الفَجْرِ حق | مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام
معنیٔ قَدْرَأیٰ مقصدِ مَاطغیٰ | نرگسِ باغِ قدرت پہ لاکھوں سلام
وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں | اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام
کھائی قرآں نے خاکِ گزر کی قسم | اس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

(۳) سیرت وسخاوت:

کل جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا | اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام
ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کر دیا | موجِ بحرِ سماحت پہ لاکھوں سلام
بھائیوں کے لئے ترک پستاں کریں | دودھ پیتوں کی نصفت پہ لاکھوں سلام

(۴) شوکت وصولت:

جس کے آگے کھنچی گردنیں جھک گئیں | اس خدا داد شوکت پہ لاکھوں سلام
شورِ تکبیر سے تھرتھراتی زمیں | جنبشِ جیشِ نصرت پہ لاکھوں سلام
وہ چقا چاق خنجر سے آتی صدا | مصطفیٰ تیری صولت پہ لاکھوں سلام

(۵) اہل بیت اطہار کی عظمت وتقدیس:

پارہائے صحف ، غنچہ ہائے قدس | اہلِ بیتِ نبوت پہ لاکھوں سلام
اس بتولِ جگر پارۂ مصطفیٰ | حجلہ آرائے عفت پہ لاکھوں سلام
وہ حسن مجتبیٰ سیدالاسخیا | راکبِ دوشِ عزت پہ لاکھوں سلام

اس شہید بلا شاہ گلگوں قبا بے کس دشت غربت پہ لاکھوں سلام
دُرِّ درج نجف ، مہر برجِ شرف رنگ روئے شہادت پہ لاکھوں سلام

(٦) ازواج مطہرات کے فضائل:

اہل اسلام کی مادران شفیق بانوانِ طہارت پہ لاکھوں سلام
سیما پہلی ماں ، کہفِ امن و اماں حق گزار رفاقت پہ لاکھوں سلام
بنت صدیق آرام جانِ نبی اس حریم براء ت پہ لاکھوں سلام
جن میں روح القدس بے اجازت نہ جائیں اس سرادق کی عصمت پہ لاکھوں سلام

(٧) سرکار علیہ السلام کے وزراو خلفا اور اصحاب کے مناقب:

سایۂ مصطفیٰ مایۂ اصطفیٰ عز و ناز خلافت پہ لاکھوں سلام
یعنی اس افضل الخلق بعدالرسل ثانی اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام
وہ عمر جس کے اعدا پہ شیدا سقر اس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام
فارق حق و باطل امام الہدیٰ تیغ مسلول شدت پہ لاکھوں سلام
در منثور قرآں کی سلک بہی زوج دو نور عفت پہ لاکھوں سلام
یعنی عثمان صاحب قمیص ہدیٰ حلہ پوش شہادت پہ لاکھوں سلام
مرتضیٰ شیر حق اشجع الاشجعین ساقی شیر و شربت پہ لاکھوں سلام
اصل نسل صفا وجہِ وصلِ خدا باب فصلِ ولایت پہ لاکھوں سلام
جس مسلماں نے دیکھا انہیں اِک نظر اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام
جن کے دشمن پہ لعنت ہے اللہ کی ان سب اہلِ محبت پہ لاکھوں سلام

(٨) جاں نثاران بدر واحد اور عشرۂ مبشرہ سے اظہار عقیدت:

جاں نثاران بدر و احد پر درود حق گزاران بیعت پہ لاکھوں سلام
وہ دسوں جن کو جنت کا مژدہ ملا اس مبارک جماعت پہ لاکھوں سلام

(٩) ائمہ مجتہدین کی بڑائی:

شافعی ، مالک ، احمد ، امام حنیف چار باغ امامت پہ لاکھوں سلام
کاملانِ طریقت پہ کامل درود حاملانِ شریعت پہ لاکھوں سلام

(۷) عظمت غوث اعظم رضی اللہ عنہ:

غوث اعظم امام التقیٰ والنقیٰ — جلوۂ شانِ قدرت پہ لاکھوں سلام
جس کی منبر ہوئی گردن اولیا — اس قدم کی کرامت پہ لاکھوں سلام

(۸) مشائخ کرام کو خراج ہائے عقیدت:

شاہ برکات و برکات پیشینیاں — نوبہارِ طریقت پہ لاکھوں سلام
نور جاں عطر مجموعہ آل رسول — میرے آقائے نعمت پہ لاکھوں سلام
زیب سجادہ سجاد نوری نہاد — احمد نور طینت پہ لاکھوں سلام

(۹) اہل سنت اور شاہ کی امت پہ سلام:

بے عذاب و عتاب و حساب و کتاب — تا ابد اہل سنت پہ لاکھوں سلام
ایک میرا ہی رحمت میں دعویٰ نہیں — شاہ کی ساری امت پہ لاکھوں سلام

(۱۰) اہل خاندان واستاذ اور خود کے لئے سلامتی کی دعا:

میرے استاد ماں باپ بھائی بہن — اہل ولد و عشیرت پہ لاکھوں سلام
تیرے ان دوستوں کے طفیل اے خدا — بندۂ ننگ خلقت پہ لاکھوں سلام

امام احمد رضاؔ نے اپنے سلام میں سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت وسیرت اور ان کی حاکمیت وسروری سے لے کر ان کے اصحاب وعترت، ازواج مطہرات، وزرا وخلفا اور اولیاے امت کے مناقب جلیلہ بیان کئے ہیں، ان کی عظمتوں کے گن گاے ہیں نیز امت مسلمہ پر سلامتی بھیجی ہے اس اعتبار سے واقعی اس سلام رضاؔ نے ایک قومی ترانہ کی شکل اختیار کر لی ہے یعنی ’’عالم اسلام کا قومی ترانہ‘‘

اور یہ حقیقت بھی اپنی جگہ پر مسلّم ہے کہ دنیا کے جن جن ملکوں میں مسلمان آباد ہیں۔ اردو نہ جانتے ہوئے بھی یہ سلام وہاں بھی اپنی اصل زبان یعنی اردو ہی میں پڑھا جاتا ہے لہٰذا واقعی یہ سلام، عالم اسلام کا قومی ترانہ بن گیا ہے۔

☆☆☆

سلامِ رضا، فکری حاشیے اور تحقیقی مدارج

☆ غلام مصطفی رضوی، مالیگاؤں

شاعری فکر ونظر کو متوازن رکھنے میں اہم کردار عطا کرتی ہے۔ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کی اساس ہے۔ نعتیہ شاعری محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار کا پاکیزہ ذریعہ ہے، اس دہلیز پر سچائی اور تقاضائے شریعت کی حد بندیاں صف آراء ہیں۔

موجودہ دور میں نعتیہ شاعری پر سب سے گہرے اثرات اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی نے ڈالے ہیں۔ آپ نے نعتیہ شاعری کو اوج کمال تک پہنچایا۔ نقش قدمِ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو اپنا رہبر بنایا۔ محبت وعشق کی بنیاد پر فکر وخیال کو استوار کیا۔ وہ خود فرماتے ہیں ؎

رہبر کی رہِ نعت میں گر حاجت ہو
نقش ِ قدمِ حضرت ِحسّاں بس ہے

انہیں قرآن مقدس نے رہِ نعت کے آداب سکھائے۔ محبت کے جذبات کو اظہار کا ذریعہ دیا۔ اغلاط سے منزہ شاعری کا وجدان بخشا ؎

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

امام احمد رضا نے نعتیہ صنف کے حوالے سے قصیدہ، غزل، رباعی اور دیگر اصناف سخن کے طلسم کو توڑ دیا۔ سراپائے جانِ جاں، جانِ ایماں صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے آپ کا نعتیہ قصیدہ ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' مقبول ہوا۔ برصغیر کے علاوہ یورپ، امریکہ، افریقہ وبلادِ عرب ہر جگہ اس نغمۂ اسلامی کی صدائیں فضاؤں کے بسیط سکوت کو محبتِ جان ایماں کے فرحت افزاء نغموں سے سوزِ دروں، آہِ سحر گاہی اور فراق محبوب کی تڑپ کی لذتوں سے ہم آہنگ کر رہی ہیں۔ ذیل کے چند اشعار کو ملاحظہ کریں تو اس اسلام کی کیفیت وسوزِ عشق کا اندازہ ہوگا۔

مصطفی جان رحمت پہ لاکھوں سلام — شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام
اصل ہر بودو بہبود تخم وجود — قاسم کنز نعمت پہ لاکھوں سلام

وصف جس کا ہے آئینۂ حق نما اس خدا ساز طلعت پہ لاکھوں سلام
دل سمجھ سے وراہے مگر یوں کہوں غنچۂ راز وحدت پہ لاکھوں سلام
حجراسود کعبۂ جان ودل یعنی مہر نبوت پہ لاکھوں سلام

یہ قدرتِ الٰہی ہیکہ ساری دنیا میں امام احمد رضا کا سلام پڑھا جاتا ہے۔ سچوں کی مدد غیب سے ہوتی ہے۔ امام احمد رضا کے افکار و پیغام برحق تھے۔ انکے خیالات کا دھارا محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پھوٹتا ہے جبھی آپ کا سلام سارے عالم پر چھا کر دلوں کی دھڑکن بن گیا ہے۔ عمل کی رہگزر میں تمام مسلم آبادیوں کا جائزہ لیجئے ہر جگہ اظہار عشق محبوب کے جلوؤں میں سلام رضا کے محسوسات ومحاکات دلوں کو شاد کرتے دکھائی دیں گے۔ اس قدر والہانہ انداز میں کیا کوئی نغمہ پڑھا جاتا ہے؟ یہ اعجاز ہی ہے کہ سلامِ رضا قبولیت کی منزل پایا۔

آخر اس سلام میں کیا ہے؟ محبت محبوب کے جلوے ہیں۔ سیرت محبوب کے ماہ و نجوم ہیں۔ کواکبِ عرفاں ہیں۔ سراپائے محبوب کی ہادی کرنیں ہیں۔ خلق عظیم کے پیکر کے ذکر سے اخلاق سنور رہے ہیں۔ نور کی لہریں چل رہی ہیں۔ بٹ رہی ہیں ؎

نور کی خیرات لینے دوڑتے ہیں مہر و ماہ

عقیدہ سنور رہا ہے۔ عقیدت بڑھ رہی ہے بقول پروفیسر انوار احمد زئی ”جب عقیدہ وعقیدت یکجا ہوجائیں حاضری اور حضوری اکائی بن جائیں اور عقل اور عشق ایک دوسرے میں پیوست نظر آئیں تو اعلیٰ حضرت کا سلام ”مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام“ تخلیق پاتا ہے اور سننے اور پڑھنے والے بے شمار زروں کو عشق کے نور سے چمکا کر آفتاب بنا دیتا ہے۔“

سراپائے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے سیرت طیبہ کے روشن پہلو سامنے آتے ہیں۔ محبت محبوب کے جلوے دلوں میں راسخ ہوتے ہیں۔ عقیدے اور عمل وجدان پاتے ہیں۔ گویا اس سلام کا مقصد بارگاہِ محبوب سے ایمان کے رشتے کو مضبوط کرنا ہے۔ دعوت اخلاق اور اوصاف حمیدہ کے ذریعے آداب زندگی اور مقصد حیات کو اجاگر کرنا ہے۔

جملوں کی بندش اس طرح ہے جیسے موتیوں کی مالا پروئی ہو۔ الفاظ کی ترکیب سیرت طیبہ کے آئینے میں لطافت و پاکیزگی کے احساس کو دوبالا کرتی ہے۔ جب ذکر اس ذات کا ہو جو ”بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر“ کا خلاصہ ہو تب خوبصورت الفاظ بھی مدح گوئی کا حق ادا کرنے کی تاب نہیں پاتے۔ امام احمد رضا نے اظہار مدح کیلئے الفاظ کو نہیں بلکہ محبت وعشق کو ذریعہ بنایا جبھی الفاظ بھی صف

بستہ نظر آتے ہیں۔

امام احمد رضا نے اپنے سلام میں قلبی جذبات کا اظہار صداقت کے اصولوں پر کیا ہے اور اسکی مقبولیت، بارگاہِ رسالت سے قبولیت کی سند ہے۔ بلاشبہ وہی ذات اسے لکھ سکتی ہے جس کے حواس و عقل، اذہان و قلب سوئے جانِ جاناں صلی اللہ علیہ وسلم میں حریم عشق کے ذریعے محبوب کے جلوؤں میں گم ہوں ۔

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضاؔ سارا تو سامان گیا

جیسے جیسے اس سلام کا مطالعہ وسیع ہوتا جاتا ہے، شوق عشق کی منزل قریب آتی جاتی ہے۔ محسوسات ذہن کے دبیز پردوں اور قلب کے حاشیہ خانوں پر منکشف ہوتے جاتے ہیں اور پھر تصور سراپا تصویر بن کر حریم جاناں کی بارگاہ میں دلوں کو بصد عجز و نیاز پیش کر دیتا ہے۔

صاحبان علم و قلم سلام اعلیٰ حضرت پر خامہ فرسائی کر رہے ہیں۔ مصنف و محقق علامہ عبدالمبین نعمانی نے اپنے مقالے میں عصر حاضر کے ناقدین ادب کے سلام اعلیٰ حضرت پر تاثرات کو یکجا کیا ہے۔ جن میں نظیر لدھیانوی، پروفیسر محمد مسعود احمد، پروفیسر سلیم چشتی (شارح کلام اقبال)، ڈاکٹر نسیم قریشی (سابق ریڈر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کی آراء خصوصیت سے شامل ہیں۔

مفتی محمد خان قادری (لاہور) نے تحقیق و عرق ریزی کے بعد ۵۰۰ سے زائد صفحات پر مشتمل مقالہ "شرح سلام رضا" قلم بند فرمایا ہے۔ سلام اعلیٰ حضرت کے حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے لکھا ہیکہ نیوکاسل یونیورسٹی کے پروفیسر غیاث الدین نے اس کا بڑا کامیاب انگریزی میں منظوم ترجمہ کیا ہے جو برطانیہ سے 'اسلامک ٹائمز' میں قسط وار شائع ہو چکا ہے۔

جامعہ عین الشمس قاہرہ (مصر) میں اسلامی ادب اور شعبۂ فارسی و ترکی کے پروفیسر ڈاکٹر حسین مجیب مصری نے علامہ ڈاکٹر حازم محمد احمد محفوظ (مرتب کلام اعلیٰ حضرت بزبانِ عربی بنام "بساتین الغفران") کی تحریک پر سلام اعلیٰ حضرت کو عربی زبان میں منظوم ترجمہ کیا ہے ساتھ ہی مختصر شرح بھی عربی میں تحریر فرمائی ہے جو "**المنظومة السلامیة فی مدح خیر البریة صلی اللہ علیہ وسلم**" کے نام سے مصر و ہند سے طبع ہوئی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

سلام علی صفوة الانبیاء

نبی الھدیٰ رحمة للسماء (علیہ الصلاۃ علیہ السلام)

لہ انشق بدر وردت ذکاء

ومن قدرۃ اللہ منہ رماء (علیہ الصلاۃ علیہ السلام)

من العرش والفرش ماقد ملک

کذا الانس والجن من غیر شک (علیہ الصلاۃ علیہ السلام)

ومنی الرضا الیتھم یطلبون

"سلامیتی" تلک من یسمعون (علیہ الصلاۃ علیہ السلام)

حوالہ جات:

۱) حدائق بخشش، امام احمد رضا محدث بریلوی

۲) آفتاب آمد دلیل آفتاب، پروفیسر انوار احمد زئی، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی

۳) مجدد اعظم اور ان کا سلام معظم مشمولہ شرح سلام رضا، علامہ عبدالمبین نعمانی۔

۴) المنظومۃ السلامیۃ فی مدح خیر البریۃ صلی اللہ علیہ وسلم، ڈاکٹر حسین مجیب مصری، مطبوعہ مرکز اہلسنت برکات رضا، پوربندر۔

واقعۂ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اقبالؔ و رضاؔ کا تقابل

☆ڈاکٹر محمد حسین مشاہدؔ رضوی

ڈاکٹر اقبالؔ اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضاؔ محدّث بریلوی ....دونوں شخصیات کا نام مدحت گرانِ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیثیت سے ہر ذی فہم اور باشعور فرد جانتا ہے۔ دونوں ہی شخصیات کی سب سے اہم خصوصیت عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھی۔

ڈاکٹر اقبالؔ اور امام احمد رضاؔ محدث بریلوی کے اسمائے گرامی عشق و محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک مثال کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سیالکوٹ کے معروف شاعر جناب قمرؔ یزدانی اِن دونوں عاشقانِ یکتائے روزگار کا ذکر اپنی ایک نظم میں اسطرح کرتے ہیں ؎

وہ خوش خصال تھے مدحتِ گرانِ پیغمبر
تھے اعلیٰ حضرت و اقبالؔ کانِ عشق رسول ﷺ
شعور و فکر رہے ان کے وقف نعت حبیب
تھا ثبت ان کے دلوں پر نشانِ عشقِ رسول ﷺ

اگرچہ ڈاکٹر اقبالؔ اور امام احمد رضاؔ محدث بریلوی اپنے الگ الگ میدانوں میں تا عمر سرگرم کار رہے۔ لیکن عشقِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والتسلیم کا رشتہ تو نا قابلِ شکست ہے پیش نظر مضمون میں واقعۂ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دونوں حضرات کا مختصر ترین تقابل پیش خدمت ہے۔

لیفٹننٹ کرنل عبدالرشید اپنے مضمون ''علامہ اقبالؔ کا تصوّرِ انسانِ کامل'' میں لکھتے ہیں:

''اقبالؔ نے اپنے لکچروں میں ایک شعر نقل کیا ہے ؎

موسیٰ زہوش رفت بیک جلوۂ صفات
تو عینِ ذات می نگری تبسمی

اس شعر میں صفات اور ذات کے الفاظ غور طلب ہیں یہ کیا مقام تھا کہ اللہ تعالیٰ

نے خود سرورِ کونین محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا، آ میرے محبوب! میں تجھ کو اپنا آپ دکھاوں .... جہاں رسول کریم کو دیگر انبیا پر بہت سی فضیلتیں ہیں وہاں یہ دو اہم ہیں (۱) خاتمیت ۔(۲) معراج ۔"(ماہ نامہ "بصیر" کراچی، عید میلاد النبی اڈیشن، مئی ۱۹۷۲ء، ص ۳۹)

اقبالؔ معراج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اکثر و بیشتر ذکر کرتے ہیں اور اس سے استدلال کرتے ہیں کہ ؎

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

اس شعر سے ایک اہم بات یہ بھی واضح ہوتی ہے کہ اقبالؔ معراجِ جسمانی کے قائل تھے کہ اس رات سرورِ کونین، مالک و مختار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خدائے بزرگ و برتر جل شانہٗ کی مرضی و مشیت سے افلاک اور کائنات کی جزئیات کا اور قدرت کے تمام سربستہ رازوں کا بلکہ خود ذاتِ حق جلّ وعُلا کا بچشمِ خود مُشاہدہ کیا۔ جب اقبالؔ کے اِس شعر کا تقابل حسّانُ الہند امام احمد رضاؔ محدث بریلوی کے اِس شعر سے کیا جاتا ہے تو وہ یوں اُبھر کر سامنے آتا ہے کہ ؎

سرِ عرش پر ہے تری گذر، دلِ فرش پر ہے تری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شئے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

اس کے علاوہ امام احمد رضاؔ بریلوی اسی نعت میں آگے کہتے ہیں ؎

وہی لامکاں کے مکیں ہوئے سرِ عرش تختِ نشیں ہوئے
وہ نبی ہیں جس کے ہیں یہ مکاں، وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

ڈاکٹر اقبالؔ نے حقیقتِ معراج پر یوں روشنی ڈالی ہے ؎

مردِ مؤمن درنسازد باصفات مصطفیٰ راضی نہ شُد اِلّا بذات
چیست معراج؟ آرزوئے شاہدے امتحانے روبروئے شاہدے

بقول ڈاکٹر سید عبداللہ:

"علامہ معراجِ مصطفیٰ کو عام صعودِ روحانی یا نفسی سے مختلف، منفرد، بلند تر اور

خاص الخاص تجربہ یا واقعہ سمجھتے ہیں۔'' (ماہ نامہ ''فکر ونظر'' اسلام آباد سیرت نمبر ۱۹۷۶ء، ص ۶۹۷)

ڈاکٹر سید عبداللہ نے اپنے مضمون ''اقبالؔ اور معراج النبی'' کے آخر میں افکار اقبالؔ کا خلاصہ یوں بیان کیا ہے:

''معراج سے مسلمانوں کے ایمان بالرسالت میں گہرائی پیدا ہوئی اور حضور کی اکملیت اور اشرفیت کا یقین محکم ہوا۔ جہاں بعض دوسرے انبیا کے آسمانی سفر ایک خاص مقام تک پہنچ سکے وہاں آنحضرت کا سفر، نبوّت کے راستے کی آخری منزل قرار پایا ۔ اس سے ایقان میں گہرائی پیدا ہوئی اور خدا کی ہستی کی محسوس شہادت میسر آئی۔'' (ایضاً، ص ۷۰۲)

اقبالؔ نے اپنے لکچروں میں 'صفات وذات' کی حضرت موسیٰ ومصطفی علیہم السلام پر کرم فرمائیوں کے متعلق جو شعر نقل کیا ہے۔ وہی تقابل جب امام احمد رضاؔ بریلوی کرتے ہیں تو صورت یہ بنتی ہے ؎

تبارک اللہ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوشِ لن ترانی کہیں تقاضے وصال کے تھے

نہ عرشِ ایمن نہ اِنِّیْ ذَاھِبٌ میں میہمانی ہے
نہ لطف اُدْنُ یَا اَحْمَدُ نصیب لَنْ تَرَانِی ہے

سب کی ہے تم تک رسائی
بارگہ تک تم رسا ہو

امام احمد رضاؔ بریلوی بارگاہِ خداوندی میں محبوب دلنواز کی باریابی کا ذکر اپنے کلام میں بار بار کرتے ہیں اور واقعۂ معراج کو مدّنظر رکھتے ہوئے ایک طویل قصیدۂ معراجیہ بعنوان ''نذر گدا بحضور سلطان الانبیا علیہ افضل الصّلوٰۃ والثنا در تہنیت شادیِ اسریٰ'' تحریر فرمایا جس کا مطلع بے حد معروف ہے ؎

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کیلئے تھے

امام احمد رضاؔ بریلوی، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت شان کی رطب اللسانی میں ہمیشہ

منہمک رہا کرتے تھے کہتے ہیں ؎

زہے عزت و اعتلائے محمد ﷺ
کہ ہے عرشِ حق زیر پائے محمد ﷺ
پوچھتے کیا ہو عرش پریوں گئے مصطفی کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں
جس کو شایاں ہے عرش بریں پر جلوس
ہے وہ سلطان والا ہمارا نبی ﷺ

اس ضمن میں انبیائے سابقین علیہم السلام کے ذکر ہیں افضل الرسل، نبی الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے علوئے مرتبت کا حوالہ بہرحال ناگزیر ہے حضرت رضاؔ بریلوی کہتے ہیں ؎

نہ حجاب چرخِ مسیح پر ، نہ کلیم وطور نہاں مگر
جو گیا ہے عرش سے بھی ادھر وہ عرب کا ناقہ سوار ہے

☆☆☆

کلامِ رضاؔ میں علمی مصطلحات کی ضیاباریاں

☆ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی

امام احمد رضا محدثِ بریلوی کی شخصیت اوران کے فکروفن پر کچھ خامہ فرسائی کرنا مجھ جیسے کم علم اور بے بضاعت کا کام ہرگز نہیں، ہاں! آپ کے عقیدت مندوں کی صف میں شامل ہونا باعثِ صد افتخار سمجھتے ہوئے یہ چند سطریں سپردِ قرطاس کرنے کی طالب علمانہ کوشش کررہا ہوں۔امام احمد رضا محدث بریلوی کی نعت گوئی کے مختلف گوشوں کو اجاگر کرتے ہوئے کئی محققین نے پی۔ایچ۔ڈی۔اور ایم۔فل جیسی باوقار ڈگریاں بھی حاصل کی ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت نے نعت گوئی کے میدان میں جو اجلے اور روشن نقوش ثبت فرمائے ہیں آج فضائے نعت میں اپنے شہبازِ فکر ونظر کو پرواز کرانے والے بیش تر شعرائے کرام محسوس یا غیر محسوس طور پر آپ کی کہیں نہ کہیں تقلید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔امام احمد رضا کی فکر رسا نے نعت گوئی میں ایسے خوب صورت اور دل کش گل بوٹے کھلائے ہیں کہ جس کی مثیل ونظیر کسی دوسرے نعت گو کے یہاں نہیں ملتی۔مفخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت ومحبت اور تعظیم وتوقیر کے اعتبار سے تو آپ کے کلام کو جو شہرت ومقبولیت حاصل ہے اس کا کوئی جواب نہیں پیش کیا جاسکتا بل کہ اگر میں یہ کہوں کہ عشقِ رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کا اسمِ شریف اب ضرب المثل کی حیثیت اختیار کرگیا ہے تو یہ مبالغہ آرائی نہ ہوگی۔نعت گوئی میں عقیدے وعقیدت کی نورافزا پرچھائیوں کے ساتھ آپ کے کلام میں جہاں فکروفن، جذبہ وتخیل اور متنوع شعری وفنی رچاو کے دل نشین تصورات ابھرتے ہیں۔وہیں آپ کے نعتیہ نغمات میں اکثر اشعار مصطلحاتِ علمیہ اور تلمیحاتِ دینیہ سے ایسے مالا مال ہیں کہ ان کو سمجھنے کے لیے عالمانہ فہم وفراست کی ضرورت ہے۔آج جب کہ تعلیمی معیار بالکل گراوٹ کا شکار ہوچکا ہے اور ہمارے تعلیمی اداروں میں سطحی تعلیم دی جارہی ہے ایسے عالم میں امام احمد رضا بریلوی کے علمی وفنی خوبیوں سے آراستہ ومزین اشعار ہم جیسے کم علموں کی سمجھ سے ورا ہوتے جارہے ہیں ،مثلاً یہ شعر دیکھیں ؎

مہر میزاں میں چھپا ہو تو حمل میں چمکے
ڈالے اک بوند شبِ دے میں جو بارانِ عرب

اس کی ممکنہ تشریح وتوضیح کے لیے ضروری ہے کہ ہم علم ہیئت سے واقف ہوں اور علم نجوم پر بھی گہری نظر ہو اور بروج و میزان اور حمل وغیرہ کے خواص سے آگاہی اور علمِ موسمیات کا بھی درک ہو تب ہی ہم اس شعر سے مکمل طور پر لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ اس شعر میں مہر-سورج، میزان-آسمان کے بارہ برجوں میں سے ساتواں برج، حمل-دنبے کی شکل کا ایک آسمانی برج، شبِ دے-اکتوبر کے مہینے کی رات...... جیسی اصطلاحات کا استعمال کر کے امام احمد رضا کہتے ہیں کہ عربِ مقدس کی بارش اکتوبر کے مہینے کی رات میں اگر ایک قطرہ ہی گرا دے تو سورج اگر برجِ میزان میں چھپا ہو تو وہ وہاں سے نکل کر برجِ حمل میں آ کر چمکنا شروع ہو جائے گا اور خشک سالی کا نام ونشان مٹ جائے گا جو کہ عرب کے چاند سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبتِ پاک کی برکت کا ظہور ہی ہے، علاوہ ازیں یہ شعر خاطر نشین کریں ؎

بارہویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا
بارہ برجوں سے جھکا اک اک ستارا نور کا

اس شعر کو بھی سمجھنے کے لیے علمِ نجوم کی اصطلاحات سے واقفیت حد درجہ ضروری ہے، اس شعر میں امام احمد رضا کے خامۂ گل رنگ نے رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف کے لیے علمِ نجوم کا استعمال کرتے ہوئے بارہ برجوں کا ذکر کر کے کہتے ہیں کہ جب بھی چاند کی بارہ تاریخ آتی ہے تو آسمان کا چاند بارہویں کے چاند یعنی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت (۱۲/ربیع الاول) کی خوشی اور نسبت سے جھک جھک کر بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں آداب وسلامی بجالاتا ہے اور نہ صرف چاند بل کہ دائرۂ فلک کے بارہ برجوں اسد، ثور، جدی، جوزہ، حمل، حوت، دلو، سرطان، سنبلہ، شرف، عقرب، میزان کا ہر ہر ستارا بھی جھک جھک کر حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سلام عرض کرتا ہے اور بہ زبانِ حفیظؔ جالندھری یوں کہتا ہے کہ ؎

ترے آنے سے رونق آ گئی گل زارِ ہستی میں
شریکِ حالِ قسمت ہو گیا پھر فضلِ ربانی
ترا در ہو، مرا سر ہو، مرا دل ہو، ترا گھر ہو
تمنا مختصر سی ہے مگر تمہیدِ طولانی

ہوسکتا ہے بعض حضرات یہاں معترض ہوا ٹھیں کہ نعت جیسی صنف میں ان علمی اصطلاحات کا لانا کیا معنی؟ تو اس ضمن میں عرض ہے کہ امام احمد رضا کے دور کا یہ مزاج تھا کہ شعرا اپنے اشعار میں جذبات وخیالات کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کے تجربے اور علمی اصطلاحات کو جگہ دیتے تھے اور اس عہد میں ایسے اشعار کو بہ آسانی سمجھنے والے لوگ بھی تھے جو کہ فی زمانہ مفقود ہیں۔آج سوداؔ، ذوقؔ اور مومنؔ کے قصائد، عزیزؔ لکھنوی کے مناقب، حضرت محسنؔ کاکوروی کے نعتیہ قصیدے اور ان کی تشابیب ، اور دبیرؔ کے مراثی اور ان میں پائی جانے والی تلمیحات اور مذہبی روایات آج ہمارے لیے معمہ اور چیستاں بن کر رہ گئی ہیں، جاننا چاہیے کہ اس کا سبب محض ہمارا سطحی نظامِ تعلیم ہے۔اس لیے ایسے افکارِ عالیہ اور اصطلاحاتِ علمیہ سے سجے سنورے اشعار کو فہم نہ کر پانے کی بنیاد پر ایسا اعتراض کرنا کہ ان کو اشعار میں نظم کرنے کی کیا ضرورت تھی ادبِ عالیہ کے گراں قدر جوہر پاروں سے صرفِ نظر اور اپنی علمی بے مایگی پر پردہ ڈالنے کی سعیِ نامشکور ہے۔

دراصل امام احمد رضا بریلوی نے اپنے کلام کے حوالے سے دنیا بھر کے علوم وفنون کا فن کارانہ اور عالمانہ استعمال کرتے ہوئے نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے قلم بند فرمائی ہے کہ آپ نے اپنی نعت گوئی سے علوم وفنون کو بھی نعتِ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم میں مصروف کر دیا ہے۔مضمون آفرینی اور خیال آفرینی کا جو نت نئے اور جدت وندرت سے مملو اظہار یہ آپ کے کلام میں ملتا ہے وہ باوجود تلاش وتفحص دیگر شعرا کے یہاں کم نظر آتا ہے یہ امر امام احمد رضا جیسے عاشقِ صادق کا امتیازی وصفِ خاص ہے۔

امام احمد رضا کی شاعری کا مقصد محبوبِ کردگار صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف اور آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازیبا کلمات ادا کرنے والوں کی مذمت اور تردید کرنا ہے، چناں چہ ارشادِ عالی ہے کہ ؎

زمین وزماں تمہارے لیے مکین و مکاں تمہارے لیے
چنیں و چناں تمہارے لیے بنے دوجہاں تمہارے لیے
دہن میں زباں تمہارے لیے بدن میں ہے جاں تمہارے لیے
ہم آئے یہاں تمہارے لیے اُٹھیں بھی وہاں تمہارے لیے

دشمنِ احمد پہ شدت کیجیے
ملحدوں کی کیا مروت کیجیے

شرک ٹھہرے جس میں تعظیمِ حبیب
اس برے مذہب پہ لعنت کیجیے

اللہ جل شانہ اور اس کے فرشتے رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجتے ہیں کائنات کا ہر ذرّہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہے حقیقت تو یہ ہے کہ جہاں جہاں ذکرِ خدا جاری ہے وہاں وہاں ذکرِ مصطفی بھی ہوتا ہے حضرتِ رضا بریلوی کا خامۂ گل ریز اور فکرِ عشق آمیز جب نعت نگاری کی طرف مائل ہوتی ہے تو آپ کا کمالِ علمی گہر افشانی کرتے ہوئے نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نت نئے گل بوٹے اس شان سے کھلاتا ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، میدانِ نعت میں آپ کے علمی اصطلاحات سے آراستہ و مزین اشعار صفحۂ قرطاس پر ہماری مشامِ جان و ایمان کو معطر و معنبر کرنے لگتے ہیں۔ امام احمد رضا کی فکرِ رسا نے فضاے نعت میں پرواز کرتے ہوئے انوکھی معنی آفرینی اور جدت و ندرت کی لہلہاتی فصل اگائی ہے اس پر شرح و نقد کرنا مجھ جیسے کم علم کے بس کی بات نہیں ذیل میں کلامِ رضا سے علمی اصطلاحات پر مشتمل اشعار اور ان کے نیچے اس علم کا عنوان بلا تبصرہ درج کیا جا رہا ہے اہلِ علم ان اشعار سے لطف لے سکتے ہیں ؎

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفی کہ یوں — کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتا کیا کہ یوں
بے سہیم و قسیم و عدیل و مثیل — جوہرِ فردِ عزت پہ لاکھوں سلام
غایت و علت سبب بہر جہاں تم ہو سب — تم سے بَنا تم بِنا تم پہ کروروں درود

(علمِ فلسفہ)

وہ گراں سنگیِ قدرِ مس وہ ارزانیِ جود — نوعیہ بدلا کیے سنگ و لآلی ہاتھ میں

(علمِ فلسفۂ نظری)

بارہوں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا — بارہ برجوں سے جھکا اک اک ستارنور کا
سعدین کا قران ہے پہلوے ماہ میں — جھرمٹ کیے ہیں تارے تجلی قمر کی ہے
دنیا، مزار، حشر، جہاں ہیں غفور ہیں — ہر منزل اپنے چاند کی منزل غُفر کی ہے
نبوی ظِل علوی برج بتولی منزل — حسنی چاند حسینی ہے چمکنا تیرا

(علمِ نجوم)

مہرِ میزاں میں چھپا ہو تو حمل میں چمکے ڈالے اک بوند شبِ دے میں جو بارانِ عرب
ہیں عکسِ چہرہ سے لبِ گلگوں میں سرخیاں ڈوبا ہے بدرِ گل سے شفق میں ہلالِ گل
سیاہی مائل اس کی چاندنی ہے قمر کا یوں فلک مائل ہے یاغوث
طلائے مہر ہے ٹکسال باہر کہ خارج مرکزِ حامل ہے یا غوث
(علمِ ہیئت)

زبانِ فلسفی سے خَرق و اِلتِیام اسرا بنایا دورِ رحمت ہائے یک ساعت تسلسل کو
محمد مظہرِ کامل ہے حق کی شانِ قدرت کا نظر آتا ہے اس وحدت میں کچھ انداز کثرت کا

ممکن میں یہ قدرت کہاں ، واجب میں عبدیت کہاں
حیراں ہوں یہ بھی ہے خطا ، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
سراغِ اَین و متیٰ کہاں تھا ، نشانِ کیف و اِلیٰ کہاں تھا
نہ کوئی راہی نہ کوئی ساتھی نہ سنگِ منزل نہ مرحلے تھے
فرشتے خدم رسولِ حشم تمام امم غلام کرم
وجودوعدم حدوث و قدم جہاں میں عیاں تمہارے
(فلسفۂ مابعدالطبعیات)

محیط و مرکز میں فرق مشکل ، رہے نہ فاصل خطوطِ واصل
کمانیں حیرت میں سر جھکائے عجیب چکر میں دائرے تھے
کمانِ امکاں کے جھوٹے نقطو! تم اوّل آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو ، کدھر سے آئے کدھر گئے تھے
(فلسفۂ مابعدالطبعیات وعلمِ ہندسہ)

کیا لکیروں میں ید اللہ خط سرو آسا لکھا راہ یوں اس راز لکھنے کی نکالی ہاتھ میں
(علمِ ہندسہ)

ذرے مہرِ قدس تک تیرے توسط سے گئے حدِّ اوسط نے کیا صغرا کو کبرا نور کا

تم سے خدا کا ظہور، اُس سے تمہارا ظہور　لِم ہے یہ وہ اِن ہوا تم پہ کروروں دُرود

سببِ ہر سبب ، منتہاے طلب　علّتِ جملہ علّت پہ لاکھوں سلام

(علمِ منطق)

ترا منسوب ہے مرفوع اس جا　اضافت رفع کی حامل ہے یاغوث

(علمِ معانی ونحو)

درودیں صورتِ ہالہ محیطِ ماہِ طیبہ ہیں　برستا امتِ عاصی پہ اب رحمت کا پانی ہے

اشک برساؤں چلے کوچہٗ جاناں سے نسیم　یاخدا! جلد کہیں نکلے بخارِ دامن

نبوی مینھ علوی فصل بتولی گلشن　حسنی پھول حسینی ہے مہکنا تیرا

(علمِ موسمیات)

نبوی خور علوی کوہ بتولی معدن　حسنی لعل حسینی ہے تجلا تیرا

کوہ سرکھ ہوتو اک وار میں دو پر کالے　ہاتھ پڑتا ہی نہیں بھول کے اوچھا تیرا

(علمِ ارضیات ومعدنیات)

رشحاتِ رضا بریلوی سے اس قبیل کے اور بھی درجنوں اشعار اخذ کرکے سجائے جاسکتے ہیں، اس مختصر سے مضمون میں اتنی ہی مثالوں پر اکتفا کیا جارہا ہے۔ وگرنہ علم وفضل کے اس بحرِ ناپیدا کنار کی کما حقہٗ شناوری کا حق ادا کرنا مجھ جیسے مبتدی کے لیے ہرگز ممکن نہیں۔ یہاں اشعار اوران کے نیچے علوم و فنون کے نام درج کردیے گئے ہیں تاکہ اہلِ علم وفہم اس کی گہرائی وگیرائی تک رسائی حاصل کرکے کلامِ رضا بریلوی میں علمی مصطلحات کی جو ضیاباریاں ہیں ان سے کیف وسرور حاصل کریں۔ حضرت امام ہی کے ایک شعر پر تشطیر کرتے ہوئے اس مضمون کا اختتام کرتا ہوں ؎

''ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم''　دنیاے علم وفن میں ہے شان تیری محکم

عشقِ شہِ دنا کے دریا بہادیے ہیں　''جس سمت آگئے ہو سکے بٹھادیئے ہیں''

۱۱؍رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ/ ۱۲؍اگست ۲۰۱۱ء بروز جمعہ

☆☆☆

امام احمد رضا کے مشہورِ زمانہ اشعار

☆محمد افروز قادری چریاکوٹی

امام احمد رضا محدث بریلوی اپنے تو اپنے اب بیگانوں کے درمیان بھی کسی تعارف کے محتاج نہ رہے۔فکرِ رضا دنیا کے چپے چپے میں اپنا شناختی علم نصب کر آئی ہے۔ان کی شخصیت پر کی گئیں بسیوں سے زیادہ تحقیقات و پی ایچ ڈیاں ان کے نام کو جگ جگ روشن کرنے کے لیے کافی ہیں پھر اُن پر ہزاروں سے زائد مقالات و مضامین اِن پر مستزاد سچ ہے:

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری گھر گھر لیے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا

امام نعت گویاں، سرخیل سخن پرداز اں امام احمد رضا قادری رضاؔ بریلوی کے اکثر اشعار زبان زد، شہرت یافتہ اور غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں، اور خوبی کی بات یہ ہے کہ کچھ نعتیں تو ایسی ہیں جن کے اکثر بلکہ تمام اشعار قابلِ انتخاب ٹھہرتے ہیں۔چشم شوق وا کر کے اور دروازۂ دِل کھلا رکھ کے ذیل کے اشعار دیکھیں:

(۱)واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا ''نہیں'' سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

(۲) کعبہ کے بدرالدجیٰ تم پہ کروروں درود طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروروں درود

(۳)نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذی شان گیا ساتھ ہی منشیِ رحمت کا قلم دان گیا

(۴)پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

(۵)وہ سوے لالہ زار پھرتے ہیں تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

(۶)ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیے ہیں جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیے ہیں

(۷)وہ کمال حسنِ حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

(۸)حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

(۹)پل سے اتارو راہ گزر کو خبر نہ ہو جبریل پر بچھائیں تو پر کو خبر نہ ہو

(۱۰)یاالٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو جب پڑے مشکل شہِ مشکل کشا کا ساتھ ہو

(۱۱)یاالٰہی رحم فرما مصطفیٰ کے واسطے یا رسول اللہ کرم کیجیے خدا کے واسطے

(۱۲)عرش حق ہے مسند رفعت رسول اللہ کی ۔۔۔ دیکھنی ہے حشر میں عزت رسول اللہ کی
(۱۳)پیش حق مژدہ شفاعت کا سناتے جائیں گے ۔۔۔ آپ روتے جائیں گے ہم کو ہنساتے جائیں گے
(۱۴)چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے ۔۔۔ مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے
(۱۵)بھینی سہانی صبح میں ٹھنڈک جگر کی ہے ۔۔۔ کلیاں کھلیں دلوں کی ہوا یہ کدھر کی ہے
(۱۶)صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا ۔۔۔ صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
(۱۷)مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام ۔۔۔ شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

مندرجہ بالا نعتوں کے بیشتر اشعار گلدستۂ انتخاب میں سجائے جانے کے لائق ہیں۔اور آپ کا قصیدۂ سلامیہ تو آفاق گیر شہرتوں کی سند پاچکا ہے۔مشرق ومغرب کے جس گوشہ اور خطہ سے چاہیں آپ اسے سن سکتے ہیں۔اس سلام کے حوالے سے مولانا کوثر نیازی نے پتے کی بات کہی ہے کہ اذان کے بعد میں نے مشرق ومغرب کے اندر کوئی ایسا کلام یا نغمہ نہیں سنا جو فضاؤں میں اتنا گونجتا اور کانوں میں اس طرح رس گھولتا ہے۔سچ یہ ہے کہ جب تک اس پر اللہ کی قبولیت کی مہر نہ لگی ہو،اتنا مقبول ومشہور اور زبان زد خاص وعام نہیں ہوسکتا......اب ذیل میں امام احمد رضا ہی کے متفرق مشہور ومعروف نعتیہ اشعار ملاحظہ فرمائیے:

بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں ۔۔۔ مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا
سائلو! دامن سخی کا تھام لو ۔۔۔ کچھ نہ کچھ انعام ہو ہی جائے گا
اے رضا ہر کام کا اک وقت ہے ۔۔۔ دل کو بھی آرام ہوہی جائے گا
کیا دبے جس پہ حمایت کا ہو پنجہ تیرا ۔۔۔ شیر کو خطرے میں لاتا نہیں کتا تیرا
جان تو جاتے ہی جائے گی قیامت یہ ہے ۔۔۔ کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارا تیرا
جو ولی قبل تھے یا بعد ہوئے یا ہوں گے ۔۔۔ سب ادب رکھتے ہیں دل میں مرے آقا تیرا
سارے اقطاب جہاں کرتے ہیں کعبہ کا طواف ۔۔۔ کعبہ کرتا ہے طواف درِ والا تیرا
عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے ۔۔۔ یہ گھٹائیں، اسے منظور بڑھانا تیرا
تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے ۔۔۔ جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا
وَرَفَعْنَالَکَ ذِکْرَکْ کا ہے سایہ تجھ پر ۔۔۔ بول بالا ہے ترا ذکر ہے اونچا تیرا
کیوں جناب بوہریرہ تھا وہ کیسا جام شیر ۔۔۔ جس سے ستّر صاحبوں کا دودھ سے منہ پھر گیا

ٹھوکریں کھاتے پھروگے ان کے در پر پڑ رہو
قافلہ تو اے رضاؔ اول گیا آخر گیا

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

عندلیبی پہ جھگڑتے ہیں کٹے مرتے ہیں
گل و بلبل کو لڑاتا ہے گلستانِ عرب

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

اہل عمل کو ان کے عمل کام آئیں گے
میرا ہے کون تیرے سوا آہ لے خبر

واللہ جو مل جائے مرے گل کا پسینہ
مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دلہن پھول

کیا بات رضاؔ اس چمنستان کرم کی
زہرا ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول

یہی کہتی ہے بلبل باغ جناں کہ رضاؔ کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصف شاہ ھدیٰ مجھے شوخیِ طبع رضاؔ کی قسم

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزا ناز دوا اٹھائے کیوں

ہے تو رضاؔ نرا ستم جرم پہ گر لجائیں ہم
کوئی بجائے سوز غم ساز طرب بجائے کیوں

بد ہیں تو آپ کے ہیں بھلے ہیں تو آپ کے
ٹکڑوں سے تو یہاں کے پلے رخ کدھر کریں

کلکِ رضاؔ ہے خنجر خونخوار برق بار
اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں

ہائے غافل وہ کیا جگہ ہے جہاں
پانچ جاتے ہیں چار پھرتے ہیں

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضاؔ
تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

کروں مدح اہل دول رضاؔ پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

غور سے سن تو رضاؔ کعبہ سے آتی ہے صدا
میری آنکھوں سے مرے پیارے کا روضہ دیکھو

مومن وہ ہے جو ان کی عزت پہ مرے دل سے
تعظیم بھی کرتا ہے نجدی تو مرے دل سے

اے رضاؔ خود صاحب قرآں ہے مداح حضور
تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی

وسعتیں دی ہیں خدا نے دامن محبوب کو
جرم کھلتے جائیں گے اور وہ چھپاتے جائیں گے

حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائش مولیٰ کی دھوم
مثل فارس نجد کے قلعے گراتے جائیں گے

خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضاؔ
دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائیں گے

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
مرے چشم عالم سے چھپ جانے والے

غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل
یا رسول اللہ کی کثرت کیجیے

شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب
اس برے مذہب پہ لعنت کیجیے

مولیٰ علی نے واری تری نیند پر نماز
اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

آ کچھ سنا دے عشق کے بولوں میں اے رضاؔ
مشتاق طبع لذتِ سوز جگر کی ہے

کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضاؔ
بول بالے مری سرکاروں کے

رضاؔ کا خاتمہ بالخیر ہوگا
تری رحمت اگر شامل ہے یا غوث

وہ رضاؔ کے نیزہ کی مار ہے کہ عدو کے سینہ میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے

لب وا ہیں آنکھیں بند ہیں پھیلی ہیں جھولیاں
کتنے مزے کی بھیک ترے پاک در کی ہے

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھادیے ہیں

☆☆☆

کلامِ رضا پر تضمین نگاری

☆ڈاکٹر محمد حسین مُشاہدؔ رضوی

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

مورخہ 14 ربیع الاول شریف 1434ھ بمطابق 27 جنوری 2013ء بروز اتوار کو حسبِ معمول اپنے جی میل اکاؤنٹ پر برقی مکتوبات (ای میلز) کی خواندگی میں مصروف تھا۔ اچانک چیٹ بوکس آہستہ سے نوا سنج ہوا۔ اُدھر متوجہ ہوا تو محب گرامی برادرِ دینی محترم محمد ثاقب قادری ضیائی زید علمہٗ ہدیۂ سلام لیے حاضر تھے۔ علیک سلیک اور خیر خیریت کے بعد انھوں نے مجھے لکھا کہ: ''آپ رضویات کے حوالے سے ایک کتاب ترتیب دیں۔'' میں نے جواباً تحریر کیا کہ: ''محترم میری بساط میں ہوگا تو کام ضرور ہوجائے گا، پہلے موضوع تو افشا فرمائیں۔'' محترم ثاقب قادری نے تحریر کیا کہ: ''میرے ذہن میں ایک منصوبہ ایسا ہے کہ کلامِ رضا پر لکھی گئی نعتوں اور تضامین کا ایک انتخاب مرتب کرلیا جائے۔ جو رضویات کے حوالے سے ایک بڑی خدمت ہوگی۔'' یہ موضوع میرے لیے بڑا پُرکشش بل کہ ذاتی پسند کا ایک حصہ لگا، میں نے فوراً ہامی بھر لی۔

چوں کہ ناچیز کے ذخیرۂ کتب میں اہل سنت کے پرانے ماہ ناموں، رسائل و جرائد اور ڈائجسٹ کافی تعداد میں موجود ہیں نیز مختلف شعرا حضرات کے نعتیہ مجموعے بھی۔ اِن رسائل و جرائد اور مجموعوں میں کلامِ رضا پر لکھے گئے نعتیہ و منقبتی کلام اور تضامین بارہا میری نظروں سے گذرتے رہے ہیں۔ بایں سبب اُسی دن بل کہ اُسی وقت سے ناچیز اِس کام میں لگ گیا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ! مجھے میری چہار دیواری ہی میں اتنا مواد مل گیا کہ بار بار بے اختیار سبحان اللہ! سبحان اللہ! دل کی گہرائیوں سے نکلنے لگا۔

علاوہ ازیں برادرم محمد ثاقب قادری نے بھی مجھے قابلِ قدر کلام سے نوازا۔ بل کہ میں یہ کہوں تو مبالغہ نہ ہوگا کہ اِس کام کا سارا کریڈیٹ انھیں کے سر جاتا ہے کہ یہ منصوبہ انھیں کے تعمیری ذہن کی اُپج ہے۔ ساتھ ہی ساتھ محترم ابوالمیز اب محمد اویس رضا عطاری صاحب (کراچی) نے جس مخلصانہ فراخ دلی سے موضوع کی مناسبت کا خیال رکھتے ہوئے کلام ارسال کیا اس عہدِ قحط الرجال

میں ایسی مخلص علم دوستی شاذ و نادر ہی دکھائی دیتی ہے۔اس موقع پر میں خانقاہ قادریہ بدایوں شریف کے صاحبِ سجادہ محترم مولانا محمد اسید الحق عاصم القادری بدایونی الازہری صاحب کا تذکرہ بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ موصوف نے اپنی علم دوستی کا ثبوت دیتے ہوئے اعلیٰ حضرت کے مشہورِ زمانہ '' قصیدۂ معراجیہ'' پر تلمیذِ استاذِ زمن فخرِ شعراے زمن مولانا محمد حسن اثر قادری برکاتی نوری بدایونی (م 1346ھ) کی تحریر کردہ ایک ایسی نادر و نایاب تضمین سے نوازا جس کے بارے میں زیادہ تر خواص بھی ناواقف ہوں گے۔

مولانا محمد اسید الحق عاصم القادری بدایونی الازہری صاحب کی روانہ کردہ مذکورہ تضمین سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے کلام کی ان کے معاصر شعرا،علماو مشائخ میں بے پناہ مقبولیت کا اظہار ہوتا ہے۔عمومی طور پر شعرا کی وفات کے بعد لوگ ان کے کلام کو اپنی فکر و نظر کا محور بنا کر تضمین نگاری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔جب کہ یہ کلامِ رضا کا امتیازی اختصاص ہے کہ اُن کے معاصر شعرا نے اُن کے کلام پر نہ صرف تضامین لکھیں بل کہ اعلیٰ حضرت کے مصرعے کو طرح کے طور پر برت کر نعتیہ کلام بھی لکھا۔

اعلیٰ حضرت کے کوثر و تسنیم میں ڈوبی ہوئی زبان میں لکھے گئے '' قصیدۂ معراجیہ'' کے تضمین نگار افتخارِ شعراے زمن مولانا محمد حسن اثر قادری برکاتی نوری بدایونی علیہ الرحمہ ہیں ۔جن کے والد کا نام منشی عظمت علی حمیدی ساکن محلہ قاضی ٹولہ بدایوں ہے۔آپ بڑے بہترین شاعر اور عالم تھے۔شاعری میں برادرِ اعلیٰ حضرت استاذِ زمن شہنشاہِ سخن علامہ حسن رضا بریلوی سے شرَفِ تلمّذ تھا۔اعلیٰ حضرت سے 6 سال بعد 16 ذی قعدہ ۱۳۴۶ھ میں آپ نے وفات پائی۔بحوالہ: جدول مرحوم شعراے بدایوں 1930ء(مرتبہ از: قمر الحسن قمر ارشدی حمیدی بدایونی،مطبوعہ، ماہنامہ مجلہ بدایوں (کراچی)

مولانا محمد حسن اثر قادری برکاتی نوری بدایونی نے مکمل قصیدۂ معراجیہ پر جو تضمین لکھی تھی وہ" معراجِ حضور 1328ھ" کے تاریخی نام سے جناب حکیم واصف حسین شاہ صاحب قادری اکبرآبادی کی فرمایش پر منشی محمد صبغۃ اللہ برق صاحب نے شائع کروایا تھا۔یوں تو اِس تضمین کو پیشِ نظر کتاب میں قدیم نسخے سے من عن نقل کیا گیا ہے،اس مقام پر بہ طورِ نمونہ تین بند نشانِ خاطر فرمائیں ؎

کہیں مبارک کہیں سلامت ، کہیں مسرّت کے غلغلے تھے
صلوٰۃ کے گیت نعت کی گت ، ثنا کے باجے بجا رہے تھے
وَرَفَعنَا کی بجا کے نوبت ، مَلک سلامی اُتارتے تھے
" وہ سرورِ کشورِ رسالت ، جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرَب کے ساماں عرَب کے مہمان کے لیے تھے"
مُبارک اے باغباں مبارک ، خُدا کرے جاوداں مُبارک
بہارِ گل کا سماں مبارک ، عنادلِ نغمہ خواں مبارک
زمین سے تا آسماں مبارک ، یہاں مبارک وہاں مبارک
" بہار ہے شادیاں مُبارک ، چمن کو آبادیاں مُبارک
مَلک فلک اپنی اپنی لے میں ، یہ گھر عنادِل کا بولتے تھے
یہاں نہ طاعت نہ زہد وتقویٰ ، یہی وسیلہ ہے مغفرت کا
کہ ہے ثنا گوئی اپنا شیوہ ، اِسی سبب سے لکھا ہے خمسہ
مراد ہے نعتِ شاہِ والا ، غرض نہیں شاعری سے اصلا
" ثنائے سرکار ہے وظیفہ ، قبولِ سرکار ہے تمنّا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا ، ردی تھی کیا کیسے قافیے تھے"

امام احمد رضا بریلوی نے نعتیہ شعری ادب کے میدان میں جو روشن اور اجلے نقوش مرتب کیے ہیں اُس کی آب وتاب اور چمک دمک کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اُن کے معاصر شعرا نے جہاں آپ کی طرزوں اور زمینوں کو نشانِ منزل کے طور پر برتا اور کلامِ رضاؔ پر نعتیں اور تضامین قلم بند کیں وہیں تا زمانۂ حال بھی شعرا حضرات کلامِ رضاؔ پر طبع آزمائی کو سعادت مندی تصور کر رہے ہیں۔

آیئے اس مقام پر تضمین سے متعلق بھی کچھ گفتگو کرتے چلیں۔ ''تضمین'' کا لغوی معنی ''ضمن میں لینا'' ہے۔ لیکن اصطلاحی مفہوم ''کسی دوسرے شاعر کے کلام کو اپنے کلام میں داخل کرنا ہے۔''

جیسا کہ مدارسِ اسلامیہ میں پڑھائی جانے والی مشہور کتاب دُروس البلاغۃ میں درج ہے کہ:
''تضمین، اس کو ایداع بھی کہتے ہیں، وہ یہ ہے کہ اپنے شعر میں دوسرے کے شعر کا کوئی جز داخل کیا جائے۔'' (دُروس البلاغۃ، مطبع مجیدی، کان پور ص ۱۱۴)

بلاغت کی مشہور و معروف کتاب ''مختصر المعانی'' میں بھی تضمین کی یہی تعریف ملتی ہے۔ علاوہ ازیں ''عین العروض'' میں مفتی محبوب رضا روشن القادری لکھتے ہیں کہ:

''تضمین اپنی یا دوسروں کی غزل پر مصرع لگا کر تطبیق اور مصرع کے تقاضوں کو پورا کرنے کو کہتے ہیں۔ اکثر و بیش تر مخمس یا مثلث طور پر وضع دیا جاتا ہے۔ جس کے شعر میں ایک مصرع یا تین مصرع کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ مگر مصرع لگاتے وقت یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ الفاظ اور مضمون کے لحاظ سے بعینہٖ چسپاں ہو جائے اور پڑھنے اور سننے میں ایک شاعر کا کلام ہو جیسے اعلیٰ حضرت کے اشعار پر دردؔ کاکوروی کی تضمین ؎

والضحیٰ پاک صورت پہ لاکھوں سلام
قاب قوسین خلوت پہ لاکھوں سلام
مجتبیٰ شانِ رفعت پہ لاکھوں سلام
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
وہ دوعالم کے سلطان صل علیٰ
عرشِ اعظم کے مہمان صل علیٰ
جن کا دنیا میں بستر رہا بوریا
کل جہاں مِلک اور جَو کی روٹی غذا
اُس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام''

(عین العروض، ص ۳۴)

اسی طرح صاحبِ فرہنگِ ادبیات نے تضمین کی تعریف یوں لکھی ہے:

''لفظی معنی ''مضمون آفرینی''، اصطلاحاً اپنے یا کسی اور شاعر کے کلام پر مضمون کی مطابقت اور ردیف وقوافی کے اتباع سے مزید مصرعوں کا اضافہ۔''

تضمین کی درج بالا تعریفات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ تضمین اپنے یا کسی دوسرے کے مصرعے یا شعر پر مضمون کی مطابقت سے اپنا مصرع لگانا۔ تضمین مخمس اور مثلث کے انداز میں لکھی جاتی ہے۔ ویسے اس کی کئی قسمیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) کسی مصرعے سے پہلے تین مصرعے لگائے جاتے ہیں:

مثلاً: امام احمد رضا کے شعر پر تضمین ؎ شعر:

بہار ہے شادیاں مُبارک، چمن کو آبادیاں مُبارک
مَلک فلک اپنی اپنی لَے میں، یہ گھر عنادِل کا بولتے تھے

تضمین:

مُبارک اے باغباں مبارک، خُدا کرے جاوداں مُبارک
بہارِ گل کا سماں مبارک، عنادلِ نغمہ خواں مبارک
زمین سے تا آسماں مبارک، یہاں مبارک وہاں مبارک
"بہار ہے شادیاں مُبارک، چمن کو آبادیاں مُبارک
مَلک فلک اپنی اپنی لَے میں، یہ گھر عنادِل کا بولتے تھے"

اس قسم کی تضمین میں کسی شعر پر تین مصرعے شعر کے مصرعہ اولیٰ کے قافیے کے لحاظ سے لگائے جاتے ہیں۔

(۲) کسی مصرع پر دو مصرعے لگائے جاتے ہیں۔ مثلاً مولانا صلاح الدین ضیاؔ مصباحی کی مرقومہ تضمین سے ایک بند ؎

روئے حبیبِ اکبر مائل بہ زرد ہوگا
تکلیف ہو کسی کو آقا کو درد ہوگا
''اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا
رو رو کے مصطفیٰ نے دریا بہادیئے ہیں''

(۳) کسی شعر کے ایک مصرعے پر اپنا مصرعہ لگانا وہ بھی تضمین کی ایک شکل ہے۔

مثلاً: امام احمد رضا کے ایک مصرعے:

"منزل نئی، عزیز جدا، لوگ ناشناس"

پر ناچیز کا ایک تضمینی مصرعہ جس سے شعر مکمل ہوا۔

"منزل نئی، عزیز جدا، لوگ ناشناس"

برزخ میں آ کے آپ ہی ڈھارس بندھایئے

(۴) کسی ایک شعر پر پوری، نظم، نعت، غزل وغیرہ لکھی جاتی ہے:

مثلاً: امام احمد رضا کے ایک شعر:

"بنت صدیق آرامِ جانِ نبی

اُس حریمِ براءت پہ لاکھوں سلام"

پر محترم ڈاکٹر عزیز احسن (کراچی، یونی ورسٹی) کی ایک مکمل نظم بھی تضمین کی ایک شکل ہی ہے:

ماہِ صدق وصفا کی حسیں روشنی — جس کے ماتھے کا جھومر صداقت بنی

رسمِ تصدیق جس کے پدر سے چلی — جس کو ورثے میں تسلیم کی خُو ملی

چاندنی جس کی رویت سے شرما گئی — میری ماں! عائشہ! علم کی منتہی

دیں میں جس کی امومت سے جاں پڑ گئی — راویوں میں ہمیشہ نمایاں رہی!

جس نے پھیلائی خوشبو احادیث کی — اور بخشی شبوں کو عجب روشنی

جس نے اوصافِ مہرِ رسالت سبھی — پیشِ اُمّت رکھے، تھے خفی یا جلی

تا کہ ہو اُسوۂ پاک کی پیروی — اتباعِ نبی ہی کرے ہر گھڑی

کوئی نادار ہو اُمّتی یا غنی — ایسی ماں جس کی سیرت مثالی رہی

جس کی عفت کی رب نے گواہی بھی دی — ساری اُمّت کی ماؤں میں جو فرد تھی

جس کو نسواں پہ حاصل ہوئی برتری — اہلِ بیتِ مطہر میں ممتاز بھی

زوجۂ پاکِ مزّمّل وابطحی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) — "بنتِ صدیق، آرامِ جانِ نبی

اُس حریمِ براءت پہ لاکھوں سلام"

(۵) ایک قسم تضمین کی یہ بھی ہے جو کم ہی شعرا کے یہاں ملتی ہے وہ یہ کہ پوری نظم کے ہر شعر کا پہلا مصرعہ شاعر کا خود کا ہو اور دوسرا کسی دیگر شاعر کا۔۔۔۔یا پہلا مصرعہ کسی دیگر شاعر کا ہو اور دوسرا مصرعہ اپنا ہو۔اس کو تضمین المصراع بھی کہتے ہیں۔

ذیل میں ملاحظہ کریں حضرت حافظ شیرازی کی ایک غزل پر امام احمد رضا بریلوی کی مرقومہ تضمین، واوین کے مصرعے حضرت حافظ شیرازی کے ہیں ؎

''الا یاایھا الساقی ادرکاسا و ناولھا''
کہ بریادِ شہ کوثر بنا سازیم محفلہا
بلا بارید حبِ شیخِ نجدی بروہابیہ
''کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا''
وہابی گرچہ اخفا می کند بغضِ نبی لیکن
''نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا''
توہب گاہ ملکِ ہند اقامت را نمی شاید
''جرس فریاد می دارد کہ بربندید محملہا''
مگرداں رُو ازیں محفل رہِ اربابِ سنت رَو
''کہ سالک بے خبر نبود زِ راہ و رسمِ منزلہا''
دلم قربانت اے دودِ چراغِ محفلِ مولد
''زتابِ جعدِ مشکینت چہ خوں افتاد در دلہا''
غریقِ بحرِ عشقِ احمدیم از فرحتِ مولد
''کجا دانند حالِ ما سبکسارانِ ساحلہا''
رضائے مست جامِ عشق ساغر باز می خواہد
''الا یاایھا الساقی ادرکاسا و ناولھا''

(۶) تضمین المصراع کی طرح ایک قسم تضمین کی تضمین الرفو بھی ہے، اپنے یا کسی دوسرے شاعر کے کسی مصرے کا ایک جز لے کر اپنا مصرع مکمل (رفو) کرنا، تضمین الرفو کہلاتی ہے۔ مثلاً ؎

''کہفِ روزِ مصیبت'' ہیں آقا مرے
موجِ بحرِ کرم سیدالانبیاء
(لمعاتِ بخشش: مشاہدؔ رضوی، ص55)

امام احمد رضا کے مصرعے:

کہفِ روزِ مصیبت پہ لاکھوں سلام

کے ایک جز سے مصرع مکمل کیا گیا ہے۔

جانِ رحمت کی اطاعت کا خزانہ ہوتا
''جان و دل ہوش و خرد'' روح سے سجدہ ہوتا
(وسیلۂ بخشش: مولانا محمد ادریس رضوی، ص38)

امام احمد رضا کے مشہور مصرعے:

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے

کے ایک جز سے مصرع مکمل کیا گیا ہے۔

(۷) تضمین میں ایک قسم تضمین مزدوج بھی ہے جس کو بعض علماے ادب نے صنعت میں شمار کیا ہے وہ یہ کہ کسی شعر میں کسی بھی مقام پر دو ہم وزن یا مقفا الفاظ استعمال کرنا:

مثلاً: اقبال کے دو شعر دیکھیں جس میں" چمک/ جھلک" ـــــ" شجر/ حجر" :

چمک تیری عیاں بجلی میں آتش میں شرارے میں
جھلک تیری ہویدا چاند میں، سورج میں تارے میں
خصوصیت نہیں کچھ اس میں اے کلیم تری
شجر حجر بھی خدا سے کلام کرتے ہیں

تضمین کی عمر اُتنی ہی ہے جتنی کہ عربی، فارسی یا اردو شاعری کی عمر ہے۔ اِن زبانوں کے مختلف

شعرا نے اپنے باوقار معاصرین یا بزرگوں کے کلام پر تضمین کی ہے۔ تضمین کی سمت فراقؔ گورکھپوری نے کافی پیش رفت کی تھی موصوف نے ولی دکنی، راجا رام نرائن موزوںؔ، میرؔ، سوداؔ، غالبؔ، مومنؔ، ذوقؔ، داغؔ، اقبالؔ، اصغرؔ، وحید الہ آبادی اور حفیظؔ جون پوری جیسے شعرا پر بڑی اچھی اور خوب صورت تضامین لکھی ہے۔ ساتھ ہی فراقؔ نے خود اپنے بھی بعض اشعار پر تضمین لکھی۔ علاوہ ازیں متعدد شاعروں نے دوسرے شاعروں کے نعتیہ کلام اور غزلوں وغیرہ تضمین کی ہے۔

تضمین نگاری ایک مشکل فن تو ہے ہی لیکن نعت کے تنگنائے میں تو اور بھی مشکل ۔۔۔ اور امام احمد رضا جیسے متنوع صفات عاشق صادق کے کلام پر تو مشکل بالائے مشکل ۔۔۔ بہت ممکن ہے، کلامِ رضاؔ پر تضمین نگاری کو کچھ لوگ مخمل میں ٹاٹ کی پیوند کاری سے بھی تعبیر کریں۔ لیکن ایسے خیالات سے پَرے جب ہم کلامِ رضاؔ پر طبع آزمائی کرنے والے اور تضمین نگاری کرنے والے شعرا کی فہرست پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں اس صف میں جہاں عام شعرا نظر آتے ہیں وہیں بڑے بڑے علما و شعرا حضرات بھی دکھائی دیتے ہیں۔ جنھوں نے اپنے اعلیٰ ترین فکری و فنّی ذوق وشوق کو کلامِ رضاؔ پر تضمین نگاری کے پیکر میں ڈھالا اور ایسے دل کش اور دل نشین ایک سے بڑھ کر ایک فنّی شہ پارے پیش کیے جو قاری کو اپنی گرفت میں لیتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ ناقد بہت کم تضمینوں اور کلام پر مخمل میں ٹاٹ کی پیوند کاری کا لیبل چسپاں کرنے کی جرأت کرے گا۔ بیش تر تضمینیں جذبہ وتخیل، جدت وندرت، معنی آفرینی، مضمون آفرینی، زبان و بیان، شوکتِ الفاظ اور فنّی لحاظ سے بلند معیار ہیں۔ بعض حضرات نے تو اپنی تضمینوں میں ایسے گلہائے لفظ و بیان اور اسلوب بکھیرے ہیں کہ سبحان اللہ! کلامِ رضاؔ میں استعمال کی گئی زبان اور معانی ومفہوم سے اُن کی تضمین نگاری اس طرح ہم رشتہ نظر آتی ہے کہ کہیں کسی قسم کا جھول دکھائی نہیں دیتا۔ آمد آمد کے صدرنگ جلوے تضمین نگار کی علمی حیثیت کو بھر آشکار کرتے ہیں۔

کلامِ رضاؔ پر تضمین نگاری کا باضابطہ آغاز حیاتِ رضاؔ ہی میں ہو چکا تھا۔ جس کے ثبوت میں حضرت مولانا محمد حسن اثر قادری برکاتی نوری بدایونی علیہ الرحمہ (م 1346ھ) کی مرقومہ ''قصیدۂ معراجیہ'' پر تضمین" معراجِ حضور 1328ھ" کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

بعدازاں شعرا حضرات نے عموماً کلامِ رضاؔ، خصوصاً سلامِ رضاؔ پر بڑی خوب صورت تضمینیں لکھیں۔ امام احمد رضا کا قصیدۂ سلامیہ ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' آفاقی شہرتوں کا حامل

کلام ہے۔ صرف سلامِ رضاؔ پر تضمین نگاری کا اگر جائزہ لیا جائے تو شاید ہی اردو کا کوئی دوسرا شاعر ہو جس کے صرف ایک کلام پر اس قدر زیادہ تعداد میں تضمین قلم بند کی گئی ہوگی۔ یہ امام احمد رضا کے کلام اور سلام کی بے پناہ مقبولیت کی ایک روشن علامت ہے۔

میں اپنے بچپن سے سلامِ رضاؔ پر لکھی گئی تضمینیں سنتا اور پڑھتا رہا ہوں۔ جن میں جناب اختر الحامدی، جناب طیش صدیقی، حضرت سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی، جناب اوج اعظمی، حضرت پیر سید نصیر الدین نصیر گولڑوی، جناب بشیر حسین ناظم، جناب عثمان عارف نقش بندی (سابق گورنر اتر پردیش)، اور علاقائی لحاظ سے ناشک (گلشن آباد) شہر کے مشہور شاعر جناب شبیر احمد عرشی کی تضمینیں قابلِ ذکر ہیں۔ یہ تمام تضمینیں چندے آفتاب چندے ماہ تاب کے مصداق ہیں۔ سلامِ رضا پر لکھی گئی یہ تضمینیں شہرت و مقبولیت کی بلندیوں کو چھو رہی ہیں۔ ان حضرات میں حضرت پیر سید نصیر الدین نصیر گولڑوی، حضرت سید نظمی میاں مارہروی، جناب اختر الحامدی، جناب بشیر حسین ناظم، جناب اوج اعظمی کے ذریعے سلام و کلامِ رضا پر کی گئی تضمین نگاری خاصے کی چیز ہے۔

غالباً 1965ء یا 1967ء میں ماہ نامہ استقامت، کان پور کے معاون مدیر جناب طیش صدیقی نے اعلیٰ حضرت کے مجموعہ کلام حدائق بخشش کی بعض منتخب نعتوں اور سلام مصطفیٰ جانِ رحمت کے بعض چنیدہ اشعار پر تضمین لکھ کر ''گلہائے عقیدت'' کے نام سے شائع کروائی تھی۔ اس سے قبل جناب سید محمد مرغوب اختر الحامدی الرضوی (تلمیذ رشید حضرت ضیاء القادری بدایونی) نے سلامِ رضا کے تمام اشعار پر جن کی تعداد 171 ہے، تضمین قلم بند فرما کر ''بہارِ عقیدت'' کے نام سے شائع کروائی تھی۔ آپ کی یہ تضمین عالمِ اسلام میں بے پناہ مقبول ہے۔ اسی طرح جناب صاحب زادہ ابوالحسن واحد رضوی (خانقاہِ عالیہ اٹک) کی مرقومہ تضمین ''حدائق تضمین'' اور جناب عبد القیوم طارق سلطان پوری کی سلام رضا پر لکھی گئی تین تضمینیں ''بستانِ رحمت''۔ ''بارانِ رحمت'' اور ''برہانِ رحمت'' خاصے کی چیزیں ہیں۔ ان تضمینوں کے منظر عام پر آنے کے بعد کلامِ رضا پر تضمین نگار حضرات کی خاصی تعداد وجود میں آنا شروع ہوئی۔

آفاقی شہرتوں کے حامل اس سلامِ بلاغت نظام کے 170 اشعار پر 1986ء یا 1987ء میں مولانا عبدالجبار رہبرؔ اعظمی نے تضمین لکھی جو ''ظہورِ قدسی'' کے نام سے کتابی شکل میں منظر عام

پرآئی۔اسی دوران جناب شہزاد احمد صاحب کی ایک نئی اور شاندار کوشش سامنے آئی۔جو ہر طرح قابلِ ستایش اور لائقِ تحسین ہے اور وہ یہ کہ ''لاکھوں سلام'' کے زیرِ عنوان اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے مشہورِ زمانہ سلام پر دس شاعروں کی تضمینوں کا ایک خوب صورت انتخاب جناب شہزاد احمد صاحب نے پیش کیا۔ یہ بھی غالباً 1986ء یا 1987ء ہی کی بات ہے۔ مذکورہ مجموعہ'' انجمن ترقی نعت'' شاہ فیصل کالونی نمبر ، 5 کراچی 25 پاکستان سے اشاعت پذیر ہوا۔

''لاکھوں سلام'' مرتبہ: جناب شہزاد احمد صاحب میں حضرت علامہ شمس الحسن صدیقی شمسؔ بریلوی، حضرت مولانا سید محمد مرغوب اختر الحامدی الرضوی، سید محفوظ علی صابرؔ القادری بریلوی، جناب ڈاکٹر سید اشرف علی ہلالؔ جعفری، حضرت مولانا محمد اسلم بستوی، حضرت عزیزؔ حاصل پوری، حضرت مولانا سید حبیب احمد صاحب نقش بندی تلہری، حضرت مولانا عبدالسلام صاحب شفیقؔ، جناب عثمان عارف نقش بندی (سابق گورنر اتر پردیش) اور صوفی مسعود احمد رہبرؔ چشتی جیسے حضرات کے موے قلم سے نکلی ہوئی سلامِ رضا پر تضمینیں شامل ہیں۔

حضرت مفتی حسن منظر قدیری صاحب نے بھی سلام رضا سے ایسے 32 اشعار منتخب کر کے تضمین پیش کی، جن میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ مبارک، گیسوے عنبریں، مقدس مانگ، جبینِ سعادت، رخسارِ ناز، عرقِ مبارک، چشمانِ اقدس، نگاہِ اقدس، مژۂ پاک، ابروے مبارک، گوشِ مبارک، خطِ مبارک ریشِ مبارک، دہنِ مبارک، زبانِ مبارک، لبہاے مبارک، مقدس تبسم، گلوے مبارک، شانۂ اقدس، پُشتِ مبارک، دستِ اقدس، بازوے مبارک، شکمِ ناز، کلائی مبارک، کفِ مبارک، دستِ مبارک انگشتِ مبارک ناخنِ مبارک مہرِ مبارک، پنڈلیِ مبارک، زانوے اقدس کے تذکرے ملتے ہیں۔ سلام رضاؔ کے ایسے منتخب 32 اشعار پر مفتی منظر حسن قدیری صاحب کی مذکورہ تضمین، ''عکسِ جمیل'' کے نام سے ادارۂ افکارِ حق بائسی، پورنیہ سے شائع ہو چکی ہے۔ بہ طورِ نمونہ چند بند نشانِ خاطر فرمائیں ؎

سرِ مبارک:

سرنگوں جملہ شاہانِ اعظم رہے
سر جھکائے ہوئے قیصر و جم رہے
خاک سے کج کلاہانِ عالم ہے
جس کے آگے سرِ سروراں خم رہے
اُس سرِ تاجِ رفعت پہ لاکھوں سلام

جبینِ مبارک:

جس کا رتبہ سرِ حشر بالا رہا
جس پہ شانِ کریمی کا سایہ رہا
پیشِ داور جو محشر کا دولہا رہا
جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اُس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام

دستِ اقدس:

سائلِ در کو بہتر سے بہتر دیا
ذرّہ مانگا کسی نے تو گوہر دیا
الغرض دامنِ زندگی بھر دیا
ہاتھ جس سمت اٹھّا غنی کردیا
موجِ بحرِ سماحت پہ لاکھوں سلام

کفِ پائے مبارک:

جس طرف سے بھی گذرے رسولِ حشم
ذرّۂ خاکِ طیبہ ہوا محترم
اِس قدر محترم وہ نقوشِ قدم
کھائی قرآں نے خاکِ گذر کی قسم
اُس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

سلامِ رضاؔ ہی کے حوالے سے جناب سید صابر حسین شاہ بخاری نے بھی ایک انوکھی کتاب مسمیٰ بہ ''جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند'' (مطبوعہ ادارۂ فروغِ افکارِ رضا، برہان شریف، اٹک، پاکستان) ترتیب دی جس میں اعلیٰ حضرت کے مشہور مصرع ''جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند'' پر مختلف شعرا کی طبع کی گئی تضمینیں موجود ہیں۔اعلیٰ حضرت کے اس شعر پر شعرا نے بہت ہی کیف آگیں تضمینیں کہی ہیں۔اس شعر پر تضمین کہتے وقت شعرا نے اس شعر کے معنی و مفہوم کو بھی بڑی خوبی سے واضح کیا ہے۔ہر ایک نے فکر وفن کی جولانی اور جذبہ و تخیل کی روانی بڑے احسن اسلوب میں دکھائی ہے۔بڑی بے ساختگی، سلاست اور روانی کے ساتھ اس پر مصرعے لگائے ہیں، ذیل میں جناب سید صابر حسین شاہ بخاری صاحب کی مذکوہ کتاب سے چند تضمینیں خاطر نشان فرمائیں ؎

اختر الحامدی:

جب ہوا ضَوفگن دین و دنیا کا چاند
آیا خلوت سے جلوت میں اسریٰ کا چاند
نکلا جس وقت مسعودِ بطحا کا چاند
جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اُس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

عبدالغنی سالکؔ:

فرش پر آگیا عرشِ اعلیٰ کا چاند
خلد و فردوس گل زارِ ماویٰ کا چاند
بزمِ مخلوق میں دین و دنیا کا چاند
جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اُس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

طارق سلطان پوری:

آسمانِ دنا فتدلیٰ کا چاند
رشکِ خورشید چرخ فاوحیٰ کا چاند
وہ شبِ سعد و پُرنور اسریٰ کا چاند
جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اُس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

سلامِ رضاؔ پر تضمین نگاری ایک مستقل تحقیقی موضوع ہے۔جس پر علاحدہ سے کام کی ضرورت ہے۔پیشِ نظر مجموعہ ''تضمیناتِ بخشش'' میں محدود وسائل کے سبب ہوسکتا ہے کہ بعض مشہور تضمینیں شامل نہ ہوسکی ہوں۔جس کے لیے مرتب معذرت خواہ ہے۔ہاں! جن احباب کے پاس ایسے کلام موجود ہوں وہ راقم کو ضرور عنایت کریں تاکہ آیندہ ایڈیشن میں اُنھیں بھی شامل کیا جاسکے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ کلامِ رضاؔ پر تضمین نگاری حیاتِ رضاؔ ہی میں شروع ہوگئی تھی اور اس کا اولین نقش ''قصیدۂ معراجیہ'' پر مولانا محمد حسن اثر قادری برکاتی نوری بدایونی علیہ الرحمہ کی مرقومہ تضمین سے ملتا ہے۔جناب ڈاکٹر سید اشرف علی ہلال جعفری (وفات 5 اکتوبر 2001ء) تضمین نگاری کے فن کا ایک معتبر نام ہے۔موصوف نے اعلیٰ حضرت، میر افق کاظمی، عزیز حاصل پوری، کیف ٹونکی، بیدم شاہ وارثی، مذاق العیشی اور مولانا حسن رضا بریلوی کے علاوہ دیگر شعرا کے نعتیہ کلام پر بڑی خوب صورت تضمینیں قلم بند کی ہیں۔آپ کی مرقومہ تضمینوں کا مجموعہ پہلے ''مطلعِ انوار'' اور بعد میں ''کشولِ ہلال'' کے نام سے طبع ہوچکا ہے۔آپ نے جہاں اعلیٰ حضرت کے مشہورِ زمانہ سلام اور دیگر کلام پر تضمین لکھی وہیں'' قصیدۂ معراجیہ'' پر آپ کی تضمین قابلِ ذکر ہے۔ذیل میں ڈاکٹر جعفری صاحب کے'' قصیدۂ معراجیہ'' پر لکھے گئے دو تضمینی بند کشولِ ہلال سے نشانِ خاطر کیجیے ؎

بساطِ کونین سج رہی تھی، چراغِ انوار جل رہے تھے
شبِ دنا کہکشاں کی چتون پہ حُسنِ فطرت کے دائرے تھے
قدم قدم پر روش روش پر ستارے جھک جھک کے کہہ رہے تھے
''وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے

نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے''

متاعِ حُسنِ ازل کی طلعت ضیاے بزمِ دنا کی عظمت

مہ رسالت فروغِ طلعت چراغِ طاقِ حرم کی زینت

ہلالؔ ہو پھر قمر کی صورت بہ فیضِ فیضانِ اعلیٰ حضرت

''نبیِ رحمت شفیعِ امت رضاؔ پہ للہ ہو عنایت

اُسے بھی ان خلعتوں سے حصہ جو خاص رحمت کے واں بٹے تھے''

اعلیٰ حضرت کے معاصرین کے علاوہ اُن کے خلفا و تلامذہ نے بھی آپ کے کلام پر تضمین نگاری کا مظاہرہ کیا۔ حضرت برہانِ ملت مولانا برہان الحق جبل پوری علیہ الرحمہ نے سلامِ رضا پر اور حضرت محدثِ اعظم ہند سید محمد اشرفی کچھوچھوی علیہ الرحمہ نے ''کیا ہی ذوق افزا شفاعت ہے تمہاری واہ واہ'' پر تضمین لکھی۔ بعد کے شعرا میں سید آلِ رسول حسنین میاں نظمی مارہروی نے اعلیٰ اعلاحضرت کی سترہ نعتوں پر تضامین لکھی، جو'' شانِ مصطفی ﷺ '' کے نام سے شائع ہوئی۔ جناب محمد عثمان اوجؔ 12 نعتوں اور مکمل سلام پر تضمین پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ مولانا محمد ادریس رضوی نے بھی کئی کلام اور'' کعبے کے بدرالدجیٰ تم پہ کروروں دُرود'' پر تضمین قلم بند کی جو ''نغماتِ بخشش'' اور ''سبیلِ بخشش'' میں شامل ہیں۔ مولانا صلاح الدین ضیاؔ مصباحی کا بھی ایک مجموعہ'' سازِ بخشش'' منظرِ عام پر آیا جس میں اعلیٰ حضرت کی 15 نعتوں پر تضمینیں موجود ہیں۔ علاوہ ازیں مولانا محبوب گوہرؔ صاحب نے بھی اعلیٰ حضرت کے 50 منتخب کلام پر بڑی زوردار اور پُرتاثیر تضمینیں قلم بند کی ہیں۔ آپ کا مجموعہ القلم فاونڈیشن، پٹنہ سے ''بہارِ تضمین'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

مختصر یہ کہ کلامِ رضا پر تضمین نگاری کا یہ ایک سفرِ مسلسل ہے جو کہ اب بھی جاری و ساری ہے۔ یقیناً یہ بھی اردو زبان و ادب کی ایک گراں قدر خدمت ہی ہے۔ پیشِ نظر مجموعہ میں شامل کلام کی تعداد کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا بے جا معلوم نہیں ہوتا کہ شعر و ادب کی تاریخ میں شاید ہی اردو دنیا کا امام احمد رضا بریلوی کے علاوہ کوئی دوسرا نعت شاعر ہوگا جس کے کلام پر اتنی کثرت سے تضمین نگاری کی

گئی ہو۔اس بات سے بھی کلامِ رضاؔ کی شہرۂ آفاق مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

واضح ہونا چاہیے کہ ''تضمیناتِ بخشش'' کی طرح ''انتخابِ کلام بر زمینِ اعلیٰ حضرت'' بھی زیر ترتیب ہے۔جس میں طرزِ رضاؔ کی پیروی میں لکھے جانے والے کلام کا ایک خوب صورت انتخاب خوان قرطاس پر سجایا جائے گا۔ان شآء اللہ!!

پیشِ نظر مجموعہ ''تضمیناتِ بخشش'' ناچیز کے اپنے ذخیرۂ کتب کے علاوہ محترم مولانا محمد اسید الحق قادری بدایونی، محترم محمد ثاقب قادری ضیائی (لاہور)، محترم ابوالمیز اب محمد اویس رضا (کراچی)، حافظ محمد ہارون (فیصل آباد)، محترم سید فاروق حارث ہاشمی اور محمد جواد رضا جامؔی، جیسے مخلص اور علم پرور دوستوں کی حوصلہ افزائی سے مرتب کیا گیا ہے۔ناچیز ان تمام حضرات کا خصوصی طور پر ممنون و متشکر ہے۔ جناب سید صبیح الدین صبیح رحمانی، مدیر نعت رنگ، کراچی بھی میرے شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے مختصر مگر جامع تاثر تحریر کیا۔

دعا ہے ربِ کریم جل شانہٗ اپنے حبیبِ لبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل ہم سب کو دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور فرمائے۔(آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم)

2 شوال المکرم 1434ء مطابق 10 اگست 2013ء بروز سنیچر